صحتِ زبان
شیام موہن لال جگر بریلوی
سنہ ۱۹۵۸ء
بار اوّل

صحتِ زبان

یعنی

اُردو زبان کے اجزائے ترکیبی پر مدلّل بحث

از

شیام موہن لال جگر بریلوی

پیش لفظ

آج کل پروپیگنڈے اور اشتہار بازی کا دور دورہ اور نمائش و تصنع کا زمانہ ہے ملمع فروغ پا رہا ہے جوہر تاریکی میں گم ہو رہا ہے لیکن ان حالات کے باوجود ابھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اصل و نقل کا امتیاز رکھتے ہیں اور نمائش و تصنع سے قطع نظر کرکے اصل جوہر کی قدر کرتے ہیں زیر نظر کتاب اسی تصور کے تحت پیش کی جا رہی ہے اور یقین ہے کہ جوہر شناس اہل نظر اس کی قدر کریں گے۔

"صحت زبان" کے مولف جناب شیام موہن لال صاحب جگر بریلوی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں اردو کے ہندو محسنوں میں ان کا نام سر فہرست ہے انہوں نے اپنی زندگی کے چالیس یا پینتالیس سال اردو کی خدمت میں مسلسل صرف کئے ہیں اور وہ گرانقدر خدمات انجام دی ہیں کہ آج کسی صاحب نظر سے وہ مخفی و پوشیدہ نہیں ہیں ان کی ان مستقل تصانیف میں جو زیور طباعت سے مزین ہو چکی ہیں مثنوی پیام ساوتری اور یادرفتگان بڑی گراں پایہ کتابیں ہیں "اول الذکر نے نہ صرف ملک کے موقر و مقتدر ادبا و شعرا سے ہی خراج تحسین حاصل کیا ہے بلکہ اس مثنوی پر مصنف کو موجودہ حکومت کی جانب سے بھی انعام مل چکا ہے" دوسری کتاب یادرفتگان ہندو شعرا کا صرف تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ اردو تذکرہ نویسوں اور مورخوں کی ان بے اعتنائیوں، ناقدردانیوں اور حق ناشناسیوں پر ایک تازیانہ ہے جو انہوں نے ہندو شعراء اور فضلاء کی فنکاریوں اور ان کے کمالات کے اظہار و اشتہار کے باب میں جائز و روا رکھیں۔ یہ کتاب بھی بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی اور

پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہوئی۔

حضرت جگر بریلوی نہ صرف چوٹی کے شعراء و ادباء میں شمار ہیں بلکہ وہ بہ اعتبار فضل و تبحر اساتذہ کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ شاعری و زباندانی ان کی موروثی و خاندانی چیزیں ہیں۔ ان کے دادا منشی درگا پرشاد صاحب کی ناموری و فضیلت آج تک صد مایۂ افتخار ہے ان ہی کے خلف اکبر کنور کنھیا لال تھے جو ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کی تعلیم گھر پر ہوئی اور انگریزی کیننگ کالج لکھنؤ میں پڑھی۔

حضرت جگر بریلوی کنور کنھیا لال کی ہی یادگار ہیں ۱۸۹۰ء میں بمقام بریلی پیدا ہوئے حسب دستور خاندان فارسی و اردو کی تعلیم گھر پر حاصل کی اور بقیہ تعلیم کا تکملہ بریلی کالج میں کیا، آپ نے ۱۹۱۶ء میں اسی کالج سے انگریزی، فارسی اور فلسفے میں بی۔ اے کیا اور ۱۹۱۸ء میں نائب تحصیلدار ی سے ملازمت شروع کی، آزاد خیالی، آزادہ روی، راست کرداری اور استغنا آپ کو چونکہ ورثہ میں ملا تھا لہٰذا ملازمت کی قیود اور بندشیں آپ پر ہمیشہ بار رہیں، ذوق شعر نے ان صفات کو مزاج میں ایسا راسخ کر دیا تھا کہ انہوں نے دورانِ ملازمت میں ضرورتاً بھی ابن الوقتی سے کام نہیں لیا بمعاشی ترقیات محدود رہیں۔ مگر جگر نے اپنا انداز نہ چھوڑا۔ اگر دوران ملازمت میں ذرا سی حکمت عملی سے کام لیا جاتا تو نامور خاندان کا یہ ہونہار سپوت نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتا لیکن آفریں ہے کہ ملازمت کے ۲۵ سال پوری پوری پریشانیوں اور بے اطمینانیوں میں گزار دیے لیکن اپنے فطری رنگ اور اپنی اصل عادت کو انہوں نے متاثر نہ ہونے دیا۔

حضرت جگر بریلوی اردو زبان کی بڑی خاموش خدمت کرنے والے ہیں ملک کے مشہور و معروف جرائد مثلاً نگار، ہمایوں اور زمانہ جن کے مطالعہ میں رہے ہیں انہوں نے ان

رسالوں میں نہ صرف حضرت جگر کے افکار شعری کا مطالعہ کر کے بصیرت و لطف حاصل کیا ہوگا بلکہ ان کے بعض ایسے مضامین بھی ملاحظہ فرمائے ہونگے جو اپنے اندر فنی معلومات کا دفتر لئے ہوئے ہیں "اُردو زبان" کی بحث پر آپ کے جو مضامین رسالہ زمانہ میں شائع ہوئے نہ صرف انتہائی جامع اور نہایت سود مند ہیں بلکہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چکبست اور میر تقی میر پر آپ نے ایسے بصیرت افروز اور معرکہ آرا مقالے لکھے کہ فن تنقید میں اہل نظر انہیں نمونہ قرار دینے پر مجبور ہوئے۔ حضرت جگر کی لکھی ہوئی نظم و نثر کی کتابیں مکمل اور محتاج اشاعت ہیں۔ ہر ناشر ان کتابوں کی اشاعت کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لیکن اردو زبان کی ناقدری کی عام وبا نے ناشروں کی ہمتوں کو ایسا پست کر دیا ہے کہ وہ دم بخود ہیں اور افسوس یہ قیمتی جواہر پارے محروم اشاعت ہیں۔

ناشر اور مصنف کی حیثیتوں سے میرے اور حضرت جگر کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ ان کی ایک نظم "دلی کہاں" نظامی پریس بدایوں سے شائع کرنے کی میں عزت حاصل کر چکا ہوں۔ حضرت جگر کی ان غیر مطبوعہ اور محروم اشاعت کتابوں کے متعلق سنتا تھا اور افسوس کرتا تھا مجھ میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ ان کی ان بے بہا کتابوں کی اشاعت پر متوجہ ہوتا۔ حضرت جگر نے شاید میرے اس ذوق و شوق کا اندازہ کر لیا، آدمی مردم شناس اور سیر چشم واقع ہوئے ہیں اپنی گراں مایہ غیر مطبوعہ کتابوں سے زیر نظر کتاب مجھے اشاعت کے لئے عطا فرمائی اور میں ان کی کرم فرمائی سے یہ نادر تحفہ آج آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

کتاب "صحت زبان" خالص فنی نوعیت کی چیز ہے اور حضرت جگر کے پینتالیس ۴۵ سالہ فنی و لسانی تجربات کا نچوڑ ہے وہ فن کی ان دقیانوسی پابندیوں کو دور کر دینے کے بڑے حامی ہیں جو اردو زبان کی ترقی و توسیع میں ہمیشہ سے زبردست رکاوٹ بنی ہوئی ہیں انہوں نے

صحت زبان

اردو زبان کے اجزائے ترکیبی پر جہاں اس کتاب میں مختصر مگر مدلل بحث کی گئی ہے وہیں جابجا تاریخی
لحاظ کرتے ہوئے ایک ایسا دستور العمل پیش کیا ہے جس پر عمل کر کے اردو کے مبتدی اور
منتہی دونوں صحیح راستہ پا سکتے ہیں اور پورا پورا استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف
وقت کی چیز ہے بلکہ ذوق ادب میں پوری پوری سلامتی اور استحکام پیدا کر کے تنگ نظری اور
کوتاہ بینی کو دور کرتی ہے اور زبان و بیان میں صحت اور معقولیت پیدا کر کے علم اللسان کے
طالب علم کو وسعت نظر بخش سکتی ہے۔ ان مقاصد کے علاوہ یہ کتاب اور بھی بعض مستحسن مقاصد
کی تکمیل کرتی ہے۔ آئے دن اردو میں تنقیدیں اور تبصرے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ منثورات
پر کم مگر منظومات پر زیادہ ان تنقیدی مضامین میں اکثر و بیشتر الفاظ و تراکیب پر بحثیں
چھڑ جاتی ہیں الفاظ کے محل استعمال اور ان کی تراکیب و بندش پر مختلف النوع دلائل و اقوال
پیش کئے جاتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے مباحثوں کے نتائج میں تحریری طعن و تشنیع اور
سب و شتم کے مواقع بھی میسر آجاتے ہیں۔ یہ کتاب ایسی تمام ناپسندیدہ بحثوں کا نہ صرف
سد باب کر سکتی ہے بلکہ بعض صورتوں میں قول فیصل کا حکم رکھتی ہے۔ درحقیقت ایسی تالیف
کی مدت سے ضرورت تھی۔ اردو داں طبقے کو اس تخلیق پر صمیم قلب سے حضرت جگر بریلوی
کا شکرگزار ہونا چاہئے۔

انیس الدین نظامی

بدایوں۔ ۱۶ مارچ ۱۹۵۶ء

جب اُردو کے جنم کے بعد اُس کی نظم و نثر کا کچھ سرمایہ جمع ہو گیا
تو شیدائیان اُردو کو خیال پیدا ہوا کہ کچھ قواعد بھی مرتب کئے جائیں
جو اصول فصاحت و بلاغت پر مبنی ہوں۔ اب اُردو کا تمام ذخیرہ اس
نظر سے جانچا گیا۔ ایک انبار اس میں خس و خاشاک کا نکلا۔ اس انبار میں
سب سے پہلے وہ الفاظ تھے جو اُردو نے اُس وقت کی دیسی بھاشا سے
لئے تھے جب اس کا جنم ہوا تھا۔ مصادر تو ہندی تھے ہی یہ الفاظ بھی
ہندی تھے اور سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔ مصادر کے بغیر تو اُردو کا تار و
پود ہی قائم نہیں رہ سکتا تھا وہ تو رہ گئے باقی اور صدہا ہندی الفاظ متروک
قرار پا کر اُردو زبان سے خارج ہو گئے، بعض اُردو لغات کے ساتھ ان کی
فہرستیں دی ہوئی ملتی ہیں۔ متروکات کی لمبی چوڑی فہرستیں تو ضرور مرتب
کی جاتی ہیں لیکن کسی نے آج تک یہ نہ بتایا کہ یہ ترک و اخراج کن اصولوں
پر مبنی ہوا۔ کسی فرد واحد کا بعض لفظ کو استعمال نہ کرنا کوئی اصول نہیں بن جاتا
کہ کوئی اسے استعمال نہ کرے۔ کسی لفظ کا بہت دنوں تک مستعمل نہ ہونا بھی اس

بات کی دلیل نہیں بن جاتا کہ اُسے کوئی استعمال ہی نہ کرے۔ یہ کہنا کہ یہ الفاظ ثقیل یا مخل فصاحت ہیں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ثقالت و فصاحت کثرتِ استعمال اور اسلوبِ استعمال کے تابع ہیں۔ کثرتِ استعمال سے ثقلِ الفاظ کیونکر دُور ہو جاتا ہے اس کی روشن مثال انگریزی کے وہ تمام لفظ پیش کرتے ہیں جو اب سے بہت پہلے اُردو شعرا و ادبا کی زبانوں کے لیے سخت روڑے تھے۔ اور جو رفتہ رفتہ منجھ کر اسی طرح تحریروں اور تقریروں میں رواں ہو گئے جس طرح عربی فارسی کے بعض لغات۔ مولانا حالی کے یہاں اس کی بیسیوں مثالیں ملیں گی۔ نظم اور نثر دونوں قسم کی تحریروں میں طریقِ استعمال سے کس طرح فصاحت و ثقالت پیدا ہوتی ہے ذیل کی مثال سے واضح ہوگا۔ انیس کا مصرع ہے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

اِس مصرع میں اوس کی جگہ شبنم پڑھیے۔ ثقالت و لطافت کا راز آشکار ہو جائے گا۔ اسی طرح انیس کا مصرع ہے "مانگا فرس خدیو فلک بارگاہ نے" خدیو کا لفظ فی نفسہٖ کتنا ثقیل ہے لیکن کس ہم آہنگی کے ساتھ یہاں استعمال ہوا ہے۔ سرور جہان آبادی نے نظم "لکشمی" میں اس خوبی سے ہندی الفاظ اُردو کے ساتھ سموئے ہیں کہ فصاحت منہ چومتی ہے مثلاً مطلع ہی کو دیکھیے۔

سبھ مہورت تھی عجب اور عجب سبھ تھی لگن — کہ جب آکاش سے اُترا تھا ترا سنگھاسن

فصاحت کے متعلق جو کچھ کہا گیا یہاں اتنا ہی کافی ہے کیونکہ میرا موضوع فصاحت نہیں صحتِ زبان ہے۔

اصل میں اُردو کا قالب ایرانی سانچہ میں ڈھالنا تھا اور فارسی شاعری

کی روح اس میں پھونکنا تھی اس لئے ثقالت کے بہانہ سے ہندی کے اثرات اس سے دور کئے گئے تمام محققین فن کی یہی رائے ہے۔ مولانا حالی اپنے مقدمہ شعر و شاعری میں لکھتے ہیں۔

"ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب دلی بگڑ چکی اور لکھنؤ سے زمانہ موافق ہوا اور دلی کے اکثر شریف خاندان اور ایک آدھ کے سوا تمام نامور شعراء لکھنؤ ہی میں جا رہے اور دولت و ثروت کے ساتھ علوم قدیم نے بھی ایک خاص حد تک ترقی کی تو اسی وقت نیچرل طور پر اہل لکھنؤ کو ضرور یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ جس طرح دولت اور منطق اور فلسفہ وغیرہ میں ہم کو فوقیت حاصل ہے اسی طرح زبان میں فوقیت حاصل کرنے کے لئے ضرور تھا کہ اپنی دلی کی زبان میں کوئی مابہ الامتیاز پیدا کرتے..... خود بخود طبیعتیں اس بات کی مقتضی ہوئیں کہ بول چال میں ہندی الفاظ رفتہ رفتہ ترک اور ان کی جگہ عربی الفاظ کثرت سے داخل ہونے لگے اور یہی رنگ رفتہ رفتہ نظم و نثر پر بھی غالب آگیا۔"

مولانا عبدالسلام ندوی شعر الہند حصہ اول کے صفحہ ۱۹۱ پر لکھتے ہیں۔

"جہانتک ممکن ہوا فارسی اور عربی زبان کے الفاظ استعمال کئے اور ہندی اور بھاکا کے الفاظ کو چھوڑ دیا۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۰ پر "قدما کا دوسرا دور" کے تحت لکھتے ہیں۔

"ان اصلاحات کے بعد اردو بالکل فارسی کے قالب میں ڈھل گئی اور ہمارے شعرا نے ایرانی طرز میں کہنا شروع کیا۔"

ہندی الفاظ کو زبان سے خارج کر کے اُردو والوں نے اسے ایرانی
قالب میں تو ضرور ڈھال دیا لیکن ان الفاظ سے کُلیتہً اپنا دامن نہ چھڑا سکے۔
بہت سے متروکات ایسے ہیں جو اپنے ترک کے دن سے آج تک شعرا اور انشا پردازوں
کی تحریروں اور تقریروں سے خارج نہ ہو سکے وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ اور ان
کے لکھنے اور بولنے والے دونوں اسی سرزمین کی مخلوق ہیں ان میں اتحاد
باہمی ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ زبان کے ان کھرے سکّوں نے اپنی خاص نوعیت
اور اہمیت پیدا کر لی ہے جس کا نام مصرف ہے جس کا نام زبان کا خاص
پہلو ہے جس کا نام معنی کی چگونگی ہے۔ طرزِ ادا کی گوناگونی ہے۔ شعورِ زبان
کے مدارج ان سے قائم ہیں اسی حقیقت کو یوں بھی ظاہر کر سکتے ہیں کہ جو
لفظ جس وقت زبان میں رائج ہو جاتا ہے وہ اس زمانے اور اس زمانے
کے سماجی حالات کے مطابق اپنا ایک خاص ماحولی مفہوم پیدا کر لیتا ہے جس
کو انگریزی میں (ASSOCIATION) کہتے ہیں۔ زبان دانی اسی ماحولی مفہوم
کے سمجھ لینے کا نام ہے لفظ کے معنی جان لینے کا نام نہیں۔ مولانا آزاد اُردو کے
بہت ابتدائی زمانے کے متروکات کے متعلق لکھتے ہیں۔

پرانے الفاظ جو اب متروک ہیں اُن کی مثال کے چند اشعار میر اور مرزا اور
خواجہ میر درد کے کلام سے لکھتا ہوں پھر بھی انصاف سے نہیں گذرا جاتا۔ اس
میں ایسی ایسی جگہ ایک ایک لفظ ایسا جڑا ہوا ہے جسے اُٹھانا مشکل ہے"۔

میر فرماتے ہیں :-

ہونا تھا مجلس آرا اگر غیر کا تو مجھکو — مانندِ شمعِ مجلس کاہے کو تیں جلایا

نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا — اس شوخ کم نما کا نت انتظار کھینچا

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکے گا میرؔ — ادھر تو اس سے بت پھرا اودھر خدا پھرا

ٹک بھی نہ مڑ کے میری طرف تو نے نگاہ کی — اک عمر تیرے پیچھے میں ظالم لگا پھرا

ہر لفظ کے ماحولی مفہوم کو سمجھ لینا اور اس کو اس طرح برمحل استعمال کرنا کہ اپنی جگہ سے اکھڑ نہ سکے عین فصاحت ہے۔ یہ سلیقہ وسیع اور غائر مطالعہ اور بہت مشق و مزاولتِ تحریر سے پیدا ہوتا ہے اس پر لوگوں کی نظر گئی نہیں ایک شخص نے جب ترک و اخراج کی آواز اٹھائی تو بلا پس و پیش سب کی آواز میں آواز ملاتے چلے گئے۔ اس سے اردو کا دامن کوتاہ ہوا مگر بعض الفاظ اس پر بھی ایسے سخت جاں نکلے کہ اب تک زندہ ہیں۔ ہر زمانے میں ان کے ترک کا فتویٰ دہرایا گیا اور ہر زمانے میں انھوں نے اپنی زندگی کو بھی تسلیم کرایا اور اب تک کسی کے مٹائے نہ مٹ سکے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ انھیں متروک کہنے کے کیا معنی ہوئے۔

اردو زبان کی عمارت کی بنیاد جہاں ہندی الفاظ پر قائم ہوئی وہاں اس کی ترقی اور توسیع میں عربی فارسی کے ان صدہا الفاظ اور تراکیب نے امداد دی جو اس ملک میں آ کر اپنی ماخذ زبانوں سے جداگانہ مفہوم ادا کرنے لگے۔ اسے ہندوستانیت کا فکری اجتہاد کہیے اور ہندو مسلم مشترکہ معاشرات کا چلن جو ایک نئی زبان بنانے میں ممد و معاون ہوا اور اس کی نشو و نما اور حیات و بقا کے ساتھ ساتھ ہوتا رہے گا جب تک یہ دونوں قومیں اس ملک میں ہیں۔ اسی ذیل میں ان لاتعداد الفاظ اور تراکیب کا ذخیرہ بھی آجاتا ہے

جن کا ایک جزو فارسی یا عربی ہے اور دوسرا ہندی۔ یہ سب کچھ ایک ایسی زبان کے لئے ناگزیر تھا جو مروجہ زبانوں سے علٰحدہ ہو کر اپنی مستقل ہستی قائم رکھنا چاہتی تھی۔ آخر اُردو میں ترقی اور وسعت بجز ان دو طریقوں کے جن کا ذکر کیا گیا کیونکر رونما ہوسکتی تھی۔ اُردو میں ان الفاظ کی اصل حیثیت اور مصرف وہی قائم ہوئے جو انہوں نے اس زبان میں اپنے لئے پیدا کر لئے۔ یہی الفاظ ہیں جو اپنی اسی حیثیت سے زبان کی خالص ذاتی ملکیت ہو گئے جیسا کہ سیّد انشا دریائے لطافت میں صفحہ ۲۴۱ پر لکھتے ہیں۔

"واضح رہے کہ ہر لفظ جو اُردو میں مشہور ہو گیا عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی ازروئے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اردو کا لفظ ہے اگر اصل کے مطابق ہو تو بھی صحیح ہے اور اگر اصل کے خلاف مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے۔ اس کی صحت اور غلطی اُردو میں اس کے استعمال پر منحصر ہے کیونکہ جو اُردو کے خلاف ہے غلط ہے خواہ وہ اصل زبان میں صحیح ہو اور جو اُردو کے موافق ہو صحیح ہے خواہ وہ اصل میں صحیح نہ ہو۔"

حضرت آرزو لکھنوی اپنی کتاب "نظام اُردو" میں صفحہ ۸ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

"اُردو میں مختلف زبانوں کے لفظ مستعمل ہیں مگر ان میں سے بعض کا تلفظ بعض کے معنی اور بعض میں دونوں بدل گئے ہیں یعنی ازروئے اصل ان کا تلفظ یا معنی غلط ہیں لیکن ہم اُردو میں اسی غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط مانتے ہیں اور الفاظ اور محاورات کی صحت اور غلطی اور عبارت کی فصاحت و قباحت میں کسی دوسری زبان کے لغت، قواعد صرف و نحو اور اصول انشا کی پابندی نہیں کرتے اس سے

اُردو کا مستقل زبان ہونا ثابت ہے۔"

اُردو الفاظ کی یہی وہ خصوصیت ہے جو اُردو کو ایک مستقل زبان کی حیثیت دیئے ہوئے ہے مثلاً لفظ "منت" ہے کہ فارسی میں احسان کے معنی میں آتا ہے اور اُردو میں خوشامد کے معنی ہیں۔ "روزگار" فارسی میں زمانہ کے معنی میں آتا ہے اُردو میں روزی کے وسیلہ کے معنی ہیں یہاں ان الفاظ کی صورتیں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں لیکن بعض الفاظ کی صورتیں بھی بدل گئیں اور ایسی بدلیں کہ پہچانی نہیں جاتیں مثلاً افراتفری جس کی اصل افراط و تفریط ہے یا آبشورہ کہ جس کی اصل افشردہ ہے۔ بعض ہندی الفاظ پر بھی یہ عمل اثر انداز ہوا مثلاً بیکل، چلمن، لہو وغیرہ۔ اس تغیر کے لئے نہ کوئی خاص قاعدہ مقرر تھا نہ ہو سکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ زبان جمہور بناتے ہیں۔ معاشرتی ضروریات و مقتضیات کے اعتبار سے اپنے لب و لہجہ کے مطابق زبان کا قالب ڈھالتے ہیں بلکہ یوں کہیئے کہ یہ قالب بلا ارادہ ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ موقع و محل کی مناسبت سے الفاظ خود زبان پر آتے ہیں اگر موجودہ ذخیرہ نے دستگیری کی تو کی ورنہ اسی ذخیرہ میں سے لفظوں کو توڑ مروڑ کر کوئی نیا لفظ گڑھ لیا جاتا ہے جس کی مثال آگے آئیگی۔ شاعر و ادیب اس کل ذخیرہ کو سانچے میں ڈھالتے ہیں اسے مستقل حیثیت دیتے ہیں۔ اس کا تجزیہ کر کے اصول و قواعد مرتب کرتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ پہلے اصول و ضوابط مرتب ہوں اس کے بعد زبان گڑھی جائے۔ جو اصول و ضوابط مرتب کئے جاتے ہیں وہ ایسے جامع اور حاوی ہوتے ہیں کہ زبان کے سارے رائج سکوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں۔ اُردو میں جب یہ قواعد بننا شروع ہوئے

توان کا دار و مدار استعمال پر رہا۔

ہم سے سند کے بنے سخن میں میر • فصحا کی زبان بیتے ہیں

یا جیسا انشا کی مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہے اور نیز حضرت آرزو لکھنوی بھی اپنی کتاب "نظام اردو" کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔

"الغرض جو الفاظ استعمال میں موجود ہیں وہی اردو زبان کے اجزائے ترکیبی ہیں"

بعض حضرات نے قاعدوں کے بنانے میں ایسی بال کی کھال نکالی کہ زبان کے بیشمار رائج الوقت سکّے بھی کھوٹے قرار دیدیئے مثلاً ذیل کے الفاظ اور ان کے امثال ہیں کچھ صحیح مان لیے گئے اور کچھ غلط۔

گلچھرے۔ گلچلا۔ جیب کترہ۔ گِگّے باز۔ شوربے پیٹ۔ منہ زور۔ جوشیلا۔ دل لگی۔ اگن بوٹ۔ ڈھلمل یقین۔ لمبردار۔ دشمنی جوان۔ ٹکڑ گدا۔ ڈنڈا کش کاپی نگار۔ چھاپہ خانہ۔ ڈولی بردار۔ سمجھ دار۔ چوکیدار۔ تھانہ دار۔ گاڑی بان۔ رتھ بان۔ بوباس۔ غل غپاڑہ۔ پنشن دار۔ چٹھی رساں۔ چھت گیری۔ امام باڑہ جگت استاد۔ خوش گپّی۔ بھگت باز۔ اسی اصول پر امیر مینائی نے جگت آشنا لکھا (دیکھو مرقع ادب صفحہ ۳۲)

اس فہرست میں ڈھلمل یقین اور سمجھدار کو غلط بتایا جاتا ہے اس لئے کہ ایک جزو ہندی ہے اور دوسرا عربی یا فارسی۔ یہ سب الفاظ یہی ترکیب رکھتے ہیں اور اساتذہ کے یہاں اب تک مستعمل ہیں اور رہیں گے۔ "کتا بہت سمجھدار جانور ہے۔" یہاں سمجھدار کی جگہ کون سا لفظ تجویز ہوگا بتایا جاوے۔

ان الفاظ کی ساخت میں جو اشتقاقی و اختراعی اصول کارگر ہیں اگر ان سے

سلیقہ اور آزادی سے کام لیا جائے تو اُردو کا دامن بہت وسیع ہو جائے
لیکن اس کے برخلاف ہو یہ رہا ہے کہ جو اس زبان کا خالص سرمایہ ہے اُسے
بھی نکال کر پھینک دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس اخراج کی ایک وجہ تو یہ ہے
کہ ہندی سے رشتہ جہاں تک ہو توڑا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان تنگ
قاعدوں کی اس وقت سے بہت زیادہ پابندی ہوئی جب اُردو کا بیشتر سرمایہ
چند جنوں اور پریوں کی کہانیوں اور اُس شاعری میں محدود تھا جو چند قصیدوں
اور مثنویوں کو چھوڑ کر تمام تر غزل میں محدود تھی۔ غزل کی بھرمار تو بہت ہوئی
لیکن اس کا میدان بہت تنگ تھا۔ وہی حُسن و عشق کے عامیانہ مضامین کنگھی
چوٹی، بوس و کنار، زلف و عارض، رقیب و رقابت، نامہ و پیام، ہجر و وصال،
قاتل و بسمل، تیر و شمشیر وغیرہ وغیرہ پامال و تبذل خیالات غزل کی کائنات تھے۔
جب مضامین و خیالات میں ندرت آ ہی نہ سکی تو سارا کمال زبان کے بناؤ چناؤ
میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اب روز بروز ایسی سخت بندشیں لگائی گئیں کہ زبان
خراد پر اُترا ہوا اور روغن کیا ہوا ایک کھلونا بن کر رہ گئی۔

جب ان قواعد و ضوابط کی پابندی میں پُرانے الفاظ اور ترکیبیں زبان
سے نکال دیئے گئے تو ان کی جگہ فارسی عربی الفاظ سے پوری کی گئی۔ اس میں
فصاحت کے نام نہاد اصولوں کے پردے میں بعض دیگر مصالح و اغراض
کار فرما تھے جن پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں۔ بہرحال یہ عمل روز بروز بڑی گرما
گرمی سے بڑھتا رہا یہاں تک کہ آخر یہ نوبت آ کر پہونچی کہ جو ہندی لفظ ہمیشہ سے
آج تک اُردو زبان میں رائج رہے ہیں اُن کی جگہ بھی عربی لغات گھڑے جانے لگے

جیسے بھوک ہڑتال کی جگہ مقاطعہ جوعی۔ اور جو انگریزی الفاظ عام ہو گئے ہیں ان کی جگہ عربی لغات استعمال کرنے پر زور دیا گیا اور تھرمامیٹر کی جگہ مقیاس الحرارت لکھنے اور بولنے لگے لیکن یہ جکڑ بند قائم نہ رہ سکے۔ زمانہ نے کروٹ لی اور ایسا انقلاب آیا کہ ساری دُنیا اُلٹ پلٹ گئی معجزات سائنس نے تمام عالم کو حیرت میں ڈال دیا۔ دُنیا کے کاروبار اور انسانی مقاصد و مشاغل میں تغیر عظیم پیدا ہو گیا نئی ایجادات و اختراعات نے انسانی آبادی میں چکاچوند کر دی۔ ہر مقام کے سیاسی و معاشرتی نصب العین میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ہندوستان اس عالمگیر طوفانی ہنگامہ سے کب بچ سکتا تھا۔ اس پاک سرزمین کا وہ معصوم باشندہ جو کسی زمانے میں عبادت کو گوشہ نشینی کو مقصود حیات جانتا تھا اپنے پُرانے معتقدات سے بغاوت کر اُٹھا اور زمانے کے تلخ تجربوں نے اس پر ثابت کر دیا کہ خلوت پسندی اور تنہا نشینی کی میعاد ختم ہو گئی ہندوستان کی کوئی زبان اس تغیر سے نہیں بچ سکتی تھی اور نہ بچی۔ زبان خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ جب خیالات بدلے زبان بھی بدلی اور ان میں نئے نئے علوم و فنون اور مشاغل و مقاصد حیات کے اثر سے وسعتیں پیدا ہوئیں۔ اس قوت اور پھیلاؤ کے دھارے میں وہ بند جو زبان کے لئے باندھے گئے تھے ٹوٹ کر بہہ جانے لگے جس کا زبردست ثبوت حالی کا مسدس "مد و جزر اسلام ہے"۔ ارباب فن کہتے ہیں کہ "دن بدن" کی ترکیب غلط ہے اس لئے کہ دن ہندی اور بہ فارسی ان کا میل جول جائز نہیں۔ مولانا حالی نے دن بدن کی تقلید میں "گھر بہ گھر" اور گانوں در گانوں" نظم کیا ہے۔

اس قبیل کی اور بھی مثالیں ان کے یہاں ملتی ہیں۔ مولانا حالی اور مولانا تسلیم ملانی پتی اور بعض ایک دو اور بالغ نظر ادیبوں نے یہ راز سمجھ لیا کہ اردو کی ترقی کے لئے جمہور اور زمانے کے ساتھ چلنا پڑے گا۔ چنانچہ ان بزرگوں نے ارباب فن کی مقرر کی ہوئی بہت سی قیدوں کو توڑ دیا۔ نئی تبدیلیوں سے جو نئے خیالات اور کاروبار کی رو ملک میں دوڑی تو وہ بھی جمہور کے لب و لہجہ کے مطابق زبان میں ڈھلتی گئی۔ مثلاً صدہا انگریزی الفاظ ملک میں اسی طرح رائج ہو گئے جس طرح اسی ملک کی زبانوں کے سکے۔ مثلاً نیچر، سائنس، کمیٹی، میٹنگ، مکینشن، کنٹرول، راشن، ریڈیو، سینما۔ بعض جگہ ترجمہ کے لئے لفظ گڑھے گئے مثلاً (SENSATIONAL) کے لئے سنسنی خیز گڑھا گیا اور حق یہ ہے کہ خوب گڑھا گیا۔ (NIGHT SHIFT) کے لئے مل والوں کی زبان سے "رتیائی" نکلا اور خوب نکلا۔ یہ انھیں الفاظ کی ذیل میں آجاتا ہے جن کی فہرست سطور بالا میں دی گئی۔ لفظ وضع کرنے کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے مفہوم کا بھرپور اظہار کرے۔ سنسنی خیز کو غلط کہہ دینا تو بہت آسان ہے اس لئے کہ بڑا اکارگر آلہ موجود ہے وہی آلہ کہ ایک جز ہندی اور ایک فارسی ہے مگر بات تو جب ہے کہ کوئی اس لفظ کا مرادف معنی کے صوتیاتی اثر و عکاسی کے ساتھ وضع کر دے جو یہ لفظ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور وہ عام فہم بھی ہو۔ ابھی دو تین مہینے کی بات ہے "سنسار" دہلی میں ایک مضمون جوش ملیح آبادی کے خلاف نکلا جس میں یہ لفظ استعمال ہوا تھا۔ جوش صاحب نے جواب میں سب سے پہلے "سنسنی خیز" پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ جو پرچہ ایسے غلط لفظ استعمال کرے ہرگز معتبر نہیں سمجھا جاتا "سنسار" کے ایڈیٹر نے

مس فاطمہ جناح کی تقریر سے اس کی نشاندہی کی۔ میں پھر وہی عرض کر دوں گا کہ اس کی جگہ دوسرا لفظ دیجئے تو اسے زبان سے خارج کیجئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ بندشیں عاید کی گئی تھیں اُس زمانے کی ادبی رفتار کے لئے یہ مناسب تھیں کیونکہ اس وقت اُردو زبان کی بساط تفریحی مشغلہ تک محدود تھی۔ اب اس زبان کے ساتھ تہذیب و تمدن اور ملکی و قومی اغراض و مقاصد وابستہ ہیں اس کے ادب و شعر کی نمائشیں بہت مختلف النوع ہو گئی ہیں۔ نظم و نثر کا معیار بہت بلند ہو گیا اور تنوع بھی اور اس میں صدہا موضوعات پیدا ہو گئے صرف قصہ کہانیوں اور غزلوں تک اس کی حدیں ختم نہیں ہیں۔ اس وقت وہی زبان کام دے سکتی ہے جو ملک کی گوناگوں خصوصیتوں کو قائم و برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ زمانے کے مطابق ہر قسم کی ترقی کا آسان وسیلہ بن سکے کوئی تنگ قانون اس قسم کی زبان کا ساتھ نہیں دے سکتا اور سخت بندشوں میں رہ کر کوئی زبان وہ خدمت انجام نہیں دے سکتی جس کی اب ضرورت ہے ادیبوں اور شاعروں کا اب یہ فرض ہے کہ زبان کے جکڑ بندوں کو ڈھیلا کریں نئے الفاظ اور ترکیبوں کا جو سرمایہ داخل ہو رہا ہے اس کو قومی ضروریات کا مفید ثمرہ اور ارتقائے قومی کا لسانی وسیلہ سمجھیں۔ ادب میں اس کی صحیح جگہ متعین کریں۔ ادب و شعر کو جمہور کی عام بول چال اور گھریلو زندگیوں کے مطابق بنا کر مقبول بنائیں جس سے شعر و ادب عوام کے رہن سہن کی پست حالتوں کی اصلاح کا ذریعہ بن سکیں ان کی سماجی دلچسپیوں کو بہتر بنا سکیں اُن میں کشمکش حیات کے مردانہ مقابلہ کی قوت پیدا کر سکیں اور انھیں زندگی کے مقاصد سے خبردار کر سکیں مختصر یہ کہ

جو تمام ملکی و قومی زندگی کو بہ حیثیت مجموعی بلند کر کے استوار اور پاکیزہ بنا دیں۔ یہ تمام مقاصد آسان اور گھریلو زبان کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے اور یقیناً اس زبان سے یہ کام میسر نہیں ہو سکتی جو بات بات پر زبان کاٹے اور قدم قدم پر بیڑیاں ڈالے۔ اسی لئے جو اب یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ہر شخص کی بولی اردو میں داخل کر لی جائے تو اردو چوں چوں کا مربہ ہو کر رہ جائے گی۔ سو چہ زبان میں چوں چوں کا مربہ تو اردو ہے ہی کوئی لفظ ہندی، کوئی پنجابی کوئی گجراتی، کوئی عربی، کوئی فارسی، کوئی ترکی، کوئی انگریزی وغیرہ اس میں حرج کیا ہے۔

اردو کی ایسی حیثیت میں اس کی وسعت کا راز مضمر ہے۔ اگر آپ اسے وسعت دینا چاہتے ہیں تو شہریوں بلکہ امیروں کی نشستگاہوں سے نکال کر دیہات میں لائیے۔ دیہاتیوں کے لئے اسے سود مند بنائیے چند شہر والوں نے اپنے مرصع کمروں میں بیٹھ کر غالبؔ، آتشؔ، داغؔ وغیرہم کا لطف اٹھایا تو اس سے کیا حاصل۔ عوام کو کیا فائدہ پہونچا۔

اسی کے ساتھ ساتھ میرا یہ بھی مطلب نہیں کہ ہر غلط سلط لفظ جو عوام میں رواج پا جائے زبان کا معتبر جز مان لیا جائے۔ اور جتنی بندشیں اصول و قواعد کی ہیں سب توڑ دی جائیں۔ ضرورت یہ ہے کہ ادیب و شاعر سلیقہ اور تمیز سے کام لیں۔ جو لفظ جس مقام اور حالت کے لئے موزوں ترین ہو اُسے لیں اور جو تنگ بندشیں عاید ہو گئی ہیں انھیں ڈھیلا کر دیں۔ قواعد تو ضرور کچھ نہ کچھ قائم رکھنا پڑیں گے۔ کوئی نظام کوئی ادارہ بغیر اصول ضوابط کے مربوط و مستحکم بلکہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اردو زبان کے قاعدے بھی ضرور رہیں لیکن وسیع یعنی ایسے

جو اختراع کے لئے مانع نہ ہوں اور اپنے کھرے سکوں کو ٹکسال باہر نہ کریں۔ اب یہ خود ایک مکمل زبان ہے۔ فارسی قواعد کا اُسے کیوں غلام بنایا جائے۔ ایران کی مثال سامنے ہے۔ یورپ کے نئے علوم و فنون اور نئی تحریکوں کے اثر سے وہاں کی زبان میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی ہے جس کا کبھی شان و گمان بھی نہ تھا۔ اب وہاں کی زبان کو پُرانی فارسی سے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ اگر اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے کے لوگ جو مر چکے ہیں آج پھر پیدا ہو جائیں تو وہ کسی کی بولی نہ سمجھیں نہ ان کی کوئی سمجھے اب اس زبان میں ہزاروں لفظ ایسے داخل ہو گئے ہیں جن کے معنی پُرانے لغات میں دیکھنا بے سود ہے جن کو صرف و نحو کے پُرانے قاعدوں سے جانچنا جہالت ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہر انقلاب پر زبان کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہی اردو میں ہوتا ہے لیکن ابھی اکثریت ان لوگوں کی ہے جو فن کی بندشوں کو سخت سے سخت تر بنا رہے ہیں اور نئے الفاظ و تراکیب کو جائز و روا رکھنا تو دور پُرانے خزانے کو بھی کم کر رہے ہیں اور اسے فن کا نام دیتے ہیں اور اس فن کے اسلحہ سے جس ادیب و شاعر کو چاہتے ہیں مضروب و مجروح کر دیتے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ پُرانی لکیروں کے فقیر بنے رہو اس اصرار کی حمایت میں فصاحت کے قانون کا نام لیا جاتا ہے مگر در اصل اس کے پردے میں اُستادی کا رعب اور اجارہ داری کا سلسلہ قائم رکھنا ہے ورنہ پھر انھیں کون پوچھے۔ مگر زمانہ قدامت پرستی کے برعکس چلتا ہے اور اجارہ داری کا سر نیچا کرتا ہے۔ جہاں ایک طرف یہ دھاندلی ہے وہاں دوسری طرف اس کے خلاف آزادہ روی کی وہ رو آئی ہے کہ ادب و شعر کے اصولوں کی ساری تعمیریں

ڈھارے دے رہی ہے۔ اس وقت میری بحث قدامت پرستی سے ہے آزاد روی کا جائزہ کسی دوسری فرصت میں لیا جائے گا۔

اب تین عنوانات کے ذیل میں ان الفاظ و تراکیب کی کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں جو اُردو کے جنم دن سے مستعمل چلے آتے ہیں مگر ارباب فن مصر ہیں کہ متروک اور غلط ہیں۔

ا۔ متروکات :۔

یاں واں۔

کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہونچادے مجھے — غالب

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا — "

تو یاد ان کی رہجائیگی اس قدر یاں
کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یاں — حالی

حالی نے یاں واں اپنی نظموں میں پچاسوں جگہ استعمال کیا ہے۔

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا — ذوق

ترک و اخراج کے معاملہ میں ناسخ بہت سخت تھے مگر انھوں نے بھی لکھا :۔

تیری محفل میں جو پاسِ راز پوشی تھا مجھے
مثل رنگ گل رواں آنکھوں سے یاں خونِ ناب تھا — ناسخ

ہمارے قتل کی تدبیر روز واں ٹھہری — یہ زندگی تو نہ ٹھہری بلائے جاں ٹھہری — داغ

فرشتے ہوں مخبر تو کیا کیجئے	یہاں بات کی واں خبر ہو گئی	داغؔ
ہم چاہیں دل ملیں وہ ملاتے نہیں ہیں آنکھ	واں جام سے گریز یہاں ہے سبو پسند	امیر مینائیؔ
روز یاں سیکڑوں بیہوش پڑے رہتے ہیں	ہے مگر خانۂ خمار تیرے کوچے میں	ناسخؔ
واں بزم میں راگ ہو رہا ہے	یاں نالوں کا تار بندھ گیا ہے	مومنؔ
محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا	یاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند	داغؔ
غیر کو میرے جلانے کے لئے پیدا کیا	واں تو یہ تھا آدمی ہر کام کا پیدا کریں	"
پھر رونے لگی بیٹھ کے واں زینبِ ناچار	ہمشکلِ نبی پلٹے یہ کہتے ہوئے اکبار	دبیرؔ
اللہ اللہ اک دعائے مرگ کے دو دو اثر	واں کھلا بابِ اجابت یاں قفس کا در کھلا	فانیؔ
دردمندانِ ازل پر عشق کا احسان نہیں	درد یاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا	"
یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا	اُس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا	"
عرصۂ حشر دور ہے خاکِ دلِ حزیں ہی	مشقِ خرام ناز کر واں نہ سہی یہیں سہی	"
یاں میرے قدم سے ہے ویرانے کی آبادی	واں گھر میں خدا رکھے آباد ہے ویرانی	"

پہ بمعنی لیکن :-

پہ تھا ثبت علمِ قضا و قدر میں	کہ بن جائے گی وہ طلا اک نظر میں	حالیؔ
پر ایسے بھی کچھ ہوتے جاتے ہیں پیدا	کہ جو خیر خواہوں پہ اپنے ہیں شیدا	"
پہونچے قریبِ فوج تو گھبرا کے رہ گئے	چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے	غالبؔ
پچ آپڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے	وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے	"
ہو گا کوئی ایسا بھی جو غالبؔ کو نہ جانے	شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے	"
عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام	مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے	"

میں چاہتا تو بہت ہوں کہ چپ رہوں حسرت — پہ جب یہ خاطرِ بے صبر تاب رہنے دے — حسرت موہانی

فوج اس کے پاس بھی ہے یہ فوجِ خدا کہاں — صاحب علم ہزار یہ عباس سا کہاں — دبیر

پہ بجائے پر۔

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ جفا سے چھوٹوں — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا — غالب

نہ سماعت نہ بصارت ہے نہ طاقت ہے نہ زور — اس خرابی پہ بھی جینے کی ہوس باقی ہے — ״

صیاد اس اسیری پہ سو جان سے میں فدا — دلبستگی قفس کی کہاں آشیانے میں — یاس یگانہ

نہ سر میں نشہ ہے باقی نہ دل میں کیفیت — زباں پہ رہ گیا اک ذکر خیر محفل کا — ״

پیدا وہ بات کر کہ تجھے روئیں دوسرے — رونا خود اپنے حال پہ یہ زار زار کیا — عزیز لکھنوی

بولا وہ خدا خدا کرو جی — اپنے مولا پہ کمن دھرو جی — شوق قدوائی

نہ رستہ ترقی کا کوئی کھلا تھا — نہ زینہ بلندی پہ کوئی لگا تھا — حالی

ع۔ شیروں کے منہ پہ چڑھتے ہیں، روباہ قہر ہے — دبیر

یوں تیر کھائے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر — غصہ میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر — انیس

جس وقت ذکر معرکہ آرائی ہوتے ہیں — رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں — ״

ان پیاری پیاری آنکھوں پہ امان خدا ہو — انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو — ״

شدتِ ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں — سیکڑوں تیر ستم تن سے گزر جاتے ہیں — ״

پر بہ معنی لیکن۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہیں آتی ..... — غالب

زمانے نے گو ان کی برکت اٹھا لی — نہیں کوئی ویرانہ پر ان سے خالی — حالی

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا — ذوق

ذوقؔ کے شعر میں "پر" سے جو زور پیدا ہو گیا ہے کسی دوسرے لفظ سے ہو ہی نہیں سکتا۔

بیشک مجھے ہو عشق تیرا پر خدا گواہ ۔۔۔ جیسا ترے گمان میں ہو اس قدر نہیں ۔۔۔ داغؔ

ملے ہیں خاک میں پر ہو آسیرؔ اپنی وہی طینت ۔۔۔ ہوائے خاکساری میں پریشاں خاکساری ہو ۔۔۔ اسیرؔ

مضطر ہوں چین آئے پر آتا نہیں مجھے ۔۔۔ رونے میں منہ تیرا نظر آتا نہیں مجھے ۔۔۔ انیسؔ

یہ کام اور بھی کرتے ہیں پر نہ ایسے ۔۔۔ مسلمان بھائی سے بن آئے جیسے ۔۔۔ حالیؔ

غم سہتے ہیں پر لب پر شکایت نہیں آتی ۔۔۔ دکھ بھرتے ہیں پر تیری محبت نہیں جاتی ۔۔۔ داغؔ

صبر فرقت میں آ ہی جاتا ہے ۔۔۔ پر اسے دیر آشنا کہیے ۔۔۔ "

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تا رکاب ۔۔۔ پر ایڑیاں جمی ہوئی تھیں مثل بوتراب ۔۔۔ انیسؔ

طاقت دل دے چکی جواب پر اب تک ۔۔۔ قوت غم رو بہ انحطاط نہیں ہے ۔۔۔ "

مریض جاں بلب دیکھے ہیں پر ایسے نہیں دیکھے ۔۔۔ خدا حافظ نہیں ہوتا ترے بیمار ہجراں کا ۔۔۔ داغؔ

سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شرم آتی ہو ۔۔۔ کہاں تک بوجھ رکھئے کاتب اعمال کے سر پر ۔۔۔ امیرؔ

لگایا تو گلے سے پر لگائی تیغ بھی آگے ۔۔۔ ملا تو عید کے دن وہ مگر چیں بر جبیں ہو کر ۔۔۔ "

مانا یزید صاحب دولت ہو ہم نہیں ۔۔۔ پر وہ وہی ہے اور شرافت میں ہم ہیں ۔۔۔ دبیرؔ

صح۔ پر کسی منہ کی کھائی ہے خندق کی جنگ میں

وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم ۔۔۔ سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم ۔۔۔ انیسؔ

انکھڑیاں۔

جب انکھڑیوں میں تری نشہ کا خمار آیا ۔۔۔ کنار بحر عجب ابر نوبہار آیا ۔۔۔ مصحفیؔ

"انکھڑیاں لگاوٹ باز" (جام سرشار از رتن ناتھ سرشار ص۲۳۹)

"اس جوگن کی لگاوٹ باز انکھڑیوں نے ایک عالم کو قتل کر رکھا ہے۔"

فسانۂ آزاد ص ۱۵۴

نگاہ مست جن کی مست کر دیتی ہے عالم کو ۔ مبارک ان خماری انکھڑیوں کو جام بینائی — عزیز لکھنوی

نشیلی انکھڑیاں ساقی کی زاہد سے بھی کہہ اٹھیں ۔ یہ پہلا روز فردوس کا ہے پی جام صہبائی — ایضاً

ان انکھڑیوں میں اگر نشۂ شراب آیا ۔ سلام جھک کے کرو نگا جو پھر حجاب آیا — آتش

اپنی شوخ انکھڑیوں میں کچھ تو حجاب آنے دو ۔ راہ پر آئیں جو یہ خانہ خراب آنے دو — جلال

غصہ میں انکھڑیوں کے ابلنے کو دیکھئے ۔ جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے — انیس

تئیں۔

"چنانچہ کشمیری کانفرنس والے قصیدے میں اپنے تئیں یوں خطاب کیا ہے"

مضامین چکبست ص ۲۳۰

تئیں یوں تو بولنے میں اچھا معلوم نہیں ہوتا لیکن "آپ کو" یا "اپنے آپ کو" کی جگہ یقیناً اس کا استعمال بہتر ہے جیسے اوپر کی عبارت میں۔

بنائیں اس کے تئیں بحر و بر کا وہ سلطان ۔ جو فی المثل ہو کوئی کورہ کا لمبردار — جمیل مظہری

پرے۔

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود ۔ قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں — غالب

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ ۔ اے شب ہجر تیرا کالا منہ — مومن

ہیں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا ۔ میری آہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا — غالب

"ادیب اور نقاد کا مسلک ان دونوں رشتوں سے پرے پرے ہونا چاہئے"

از کیفی دہلوی

Scanned by CamScanner

بارے۔

ہم کو تھا منظور اپنی خاکساری کا نباہ — بارے اس نقش قدم کے ساتھ اچھی بن گئی — ظفر

بام پر وہ ماہ کرتا ہے نظارا صبح کا — آج بارے خوب چمکا ہے ستارا صبح کا

کس قدر دشوار تھی ہم پر جدائی آپ کی — بارے پھر اللہ نے صورت دکھائی آپ کی — حسرت موہانی

بانکپن سیکھا سنبھالے تم نے بارے ہاتھ پاؤں — چھوٹ ہیں کیا خوب چلتے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں — ہجر لکھنوی

کیونکہ بجائے کیونکر۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی — گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں — غالب

کیونکہ وہ آدھی رات تک جاگے نہ جس کا دھیان ہو — آنکھوں میں خواب میں نرگس نیم باز میں — مومن

نہ جانو کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی — تجھے کہ آئنہ بھی ورطۂ ملامت ہے — غالب

وہ گمراہ غیروں کے ہمراہ ہے — اسے راہ پر کیونکہ لائیں گے ہم — مجروح

دوستو جی کیونکہ اپنا اس کے جی بیچ ڈالدوں — جو عداوت دشمنوں کی دشمنی میں ڈالدوں — شاہ ظفر

اس دل کو کہوں میں کیونکہ سیماب — سیماب کہاں ہے ایسا بیتاب — مومن

کیونکہ چھپاؤں راز غم دیدۂ تر کو کیا کروں — دل کی تپش کو کیا کہوں سوز جگر کو کیا کروں — حسرت موہانی

بے سبب کیونکہ لب زخم پہ افغاں ہوگا — شور محشر سے بھرا اس کا نمکداں ہوگا — مومن

کیجے دیجے بجائے کیجئے دیجئے۔

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجے — یا بیاں کیجے سپاس لذت آزار دوست — غالب

جا بکر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو — یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو — ۔۔

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب — زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا — آتش

غضب میں جان ہے کیا کیجے بدلا رنج فرقت کا — بدی سے کر نہیں سکتے خوشی سے ہو نہیں سکتا — داغ

کیا کیجئے بیاں اس تنِ نازک کی نفاست — خوشبو میں ہے گُل بُو تو لطافت میں ہے وہ رنگ — حسرت موہانی

طبع حاضر ہے صفائی بھی ہے نیت بھی درست — اب تو کر لیجیے خدا کے لئے پیماں، کوئی — داغ

اپنے کوچے میں نہ کیجیے میری مٹی برباد — آپ بھی خاک اڑاتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں — ،،

لبِ شیریں کا بوسہ دید تیجے — زہر لگتی ہے گرہ ہماری بات — ،،

غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجے — یہ دشمنی کریں گے بیگانے آدمی ہیں — ،،

دل ہی پہ اپنا بس نہیں چلتا انکی شکایت کیا کیجے — آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں — فانی

شکوہ کیا کیجے نگاہِ یار خود غم دیدہ ہے — کیا تماشا ہے کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہے — ،،

گر بجائے اگر۔

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے — خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے — غالب

قبر میں گر میرے ارمان سمانے پائے — تو میں جانوں گا غریبوں نے ٹھکانے پائے — داغ

اب کیا ہے گر کسی سے ملاتے نہیں نظر — لاکھوں ہماری آنکھ سے چلتے نکل گئے — ،،

ع۔ گر غیر بھی ہمارا طرفدار ہو گیا — ،،

ع۔ بچا لے گیا جان گر تجھ سے غیر — ،،

ع۔ گر تم نہ خفا ہوتے تو کون خفا ہوتا — ،،

ع۔ ہے بجا گر کہے خورشید کو جھالا اپنا — ،،

یہی عالم ہے گر جوشِ جنوں میں خاک اڑانے کا — زمیں بھی سر پہ اک دن آرہے گی آسماں ہو کر — جلیل

گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا — پُتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا — انیس

مارے بہ معنی سبب۔

مرتے ہیں رشک کے مارے پس دیوار رقیب — شور کرتا ہے جو پازیب کا دانہ شبِ وصل — آتش

بیٹھنے کا قصد کرتا ہوں جو کوئے یار میں — سایہ چڑھ جاتا ہے مارے بخل کے دیوار پر — آتش

منہ سے نقاب اُٹھاتے نہیں فرط شرم سے — زلفیں نہیں دکھاتے وہ مارے حجاب کے — رشک

کیا قتل اس نے غیروں کو مرے ہم رشک کے مارے — اجل بھی دوستو آئی نصیبِ دشمناں ہو کر — خواجہ وزیر

کیا کثرت غم ہے کہ ہوا بھی نہیں آتی — گرمی ہے سوا بھیڑ کے مارے کئی دن سے — منیر

اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو — بکھرے جاتے ہیں روئے یار پہ سایے گیسو — حسرت موہانی

مارے تپ غم کے لب ہوئے خشک — تر تھے عناب اب ہوئے خشک — شوق قدوائی

لینے لگے چٹکیاں اشارے — بس لوٹ گئی ہنسی کے مارے — ״

آج آشیاں بھی ان پہ ہے مارے خوشی کے تنگ — روتے تھے کل جو کشمکش ناگوار کو — یاس یگانہ

خوشی کے مارے زمیں پر قدم نہیں رکھتے — جب آئے قافلہ والے قریب منزل کے — ״

وہ غیر کے ساتھ شب گزارے — یاں نیند نہ آئے غم کے مارے — مومن

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے — آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے — انیس

اللہ رے خوف تیغ شہ کائنات کا — زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا — ״

پھینکا کانٹوں کو اگ کنارے — مہندی کو ملا جلن کے مارے — شوق قدوائی

مگر بہ معنی شاید۔

مگر جانا نہیں شاید یہاں سے اہل عالم کو — یہ دو دن کے لئے کیا قصر وایوان مول لیتے ہیں — آتش

گل تازہ ہے جو تن پر ہمارے زخم کاری ہے — مگر شمشیر قاتل موجۂ باد بہاری ہے — امیر

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے — الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے — آتش

روز یاں سیکڑوں بیہوش پڑے رہتے ہیں — ہے مگر خانۂ خمار ترے کوچے میں — ناسخ

دیکھی نہیں بہار مگر کوئے یار کی — بیجا ہے اے صبا تجھے گلزار پر گھمنڈ — جلیل مانکپوری

یا ہماری ہی یہ قسمت ہے کہ مجروح ہیں ہم — یا مگر ان کی محبت کا نتیجہ ہے یہی — حسرت موہانی

بہت خوبرو دل میں بیٹھے ہوئے ہیں — مگر بزمِ جنت ہے یہ انجمن بھی — داغ

نے بجائیے نہ۔

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو — ہیں وبالِ تکیہ گاہ ہمتِ مردانہ ہم — غالب

نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق — وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم — شیفتہ

خُم لگا دے ہم بلانوشوں کے منہ سے ساقیا — کام آئیگا نہ ساغر آج نے پیمانہ آج — حسرت موہانی

باندھے کمر ظلم و تعدی پہ منافق — نے دوست ہو دنیا نہ زمانہ ہو موافق — انیس

دیکھ رکھیں یہ وغا فوج میں جو ہیں جرّار — لیں گے ہم ہات میں نیزہ نہ سپر نے تلوار — ״

مطلب تھا کہ نے عمر کو نے زید کو چھوڑیں — دو شیر جب ایسے ہوں تو کب صید کو چھوڑیں — ״

ع۔ زینب نے نہ فریاد کی نے اشک بہائے — ״

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ امم — نے دامنِ رسول تھا نے سایہ علم — ״

مت۔

اس لفظ کے متعلق میرا خیال ہے کہ کبھی بول چال سے ترک نہیں ہو سکتا۔ نہی کے جملوں میں بے اختیار مت منہ سے نکلتا ہے۔ جیسے مت کھاؤ، مت جاؤ اور میں نے بڑے بڑے اہلِ زبان کو یونہی بولتے سُنا ہے۔ جب زور دینے کے لیے فعل کے بعد "نہ" لائیں گے تو عجب صورت پیدا ہو جائے گی جیسے "دیکھو کہے دیتے ہیں وہاں جانا نہ" یا "یہ تصویر کسی کو دکھانا نہ" ایسے موقوں پر نہ کس قدر کریہہ ہے۔ یہاں 'مت' ہی بولنا مناسب ہے بلکہ فصیح ہے۔

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے — غالب

مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
رفوئے زخم کو مطلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی	سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے	غالب
یہ پیچ و تاب ہوس سلکِ عافیت مت توڑ	نگاہِ عجز سرِ رشتہ سلامت ہے	”
جواب دل نے دیا یہ کہ مت تعجب کر	ہیں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانے کے اطوار	اسمٰعیل میرٹھی
غلطیہائے مضامیں مت پوچھ	لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں	غالب
شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے	یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے	”
آگئی طبع تو پھر مت آنا	کر کے معلوم الگ ہو جانا	مومن
ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد	عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے	غالب
مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی	زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے	”

"تلک بجائے تک۔"

مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
جانے لگے ہیں اب دمِ سرد آسماں تلک	ٹھنڈی سڑک یہی ہے یہاں سے وہاں تلک	امیر
کیا ہے قتل مگر مڑ کے دیکھتے ہیں مجھے	ابھی تلک نگہِ التفات اتنی ہے	”
موسمِ گل میں بستر ہے معذور	گل تلک چاک قبا کرتے ہیں	ناسخ
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم	واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے	غالب
یارو ہے نازک مزاج اور میں ہوں غمگیں کیا کہوں	مطلبِ دل کب تلک شورِ فغاں ہو جائے گا	خواجہ وزیر
کب تلک ترک دلاسا کب تلک	کب تلک یہ نازِ بیجا کب تلک	مومن
دیدۂ حیراں نے تماشا کیا	دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا	”
واعظ کا تھا خیال تو فصلِ خزاں تلک	لو آگئی بہار میں توبہ شکن ہوا	امیر مینائی
مٹی نہ دی مزار تلک آ کے اس پہ بھی	کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا	مومن
صدائیں یہ ہر سمت سے آرہی ہیں	کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں	حالی

کچھ دار و مدار کب تلک یوں — بس جام ہیں بھر شراب گلگوں — مومن
یادِ خدا کا وقت کبھی آئیگا کوئی یا نہیں — یاد کرنا کب تلک شام و صبح نماز میں — یاس یگانہ
کہاں تلک دلِ غمناک پردہ دار رہے — زبانِ حال پہ جب کچھ نہ اختیار رہے — ،،
مسجد سے دور رہ کہ یہ دوکانِ مے فروش کی — آتی نہیں ہے کان میں بانگِ اذاں تلک — اسیر
تہہ پیو رکی صدا سے ہراساں ہوئے ملک — تڑپا بجلی کہ گونج اٹھا دشت و در تلک — انیس
سبزہ ممدوح کا یارب رہے گلزارِ مراد — جب تلک باغ میں پھولیں گل نسرین و سمن — امیر مینائی
وصفِ ممدوح کا عالم میں رہے وردِ زباں — جب تلک ناطقہ ہے باعثِ ایجادِ سخن — ،،
کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک — ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے — غالب

آپی۔

ع۔ جو آپی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا — ذوق
کچھ آپی آپ مضطر ہونے لگنا — ہنسی کی بات پر بھی رونے لگنا — مومن
ع۔ وہ آپی مصیبت کے مارے ہوئے ہیں — داغ
ع۔ ہے یہ بیچارہ تو آپی بیمار — مومن

ہوئے کیوں ہاں خاطر خود بخود کملائے پژمردہ
ڈھے پڑتے ہیں آپی آپ کیوں گلچیں کے دامن پر — یاس یگانہ

نازک مزاجیوں نے مجھے مجھ سا کر دیا — اے بے خبر میں اپنے سے آپی کشیدہ ہوں — داغ

تب۔

غم کے بھڑکے شعلوں سے جب جل کے کلیجہ خاک ہوا
داغِ وجودِ حسرت سے تب دل کا دامن پاک ہوا

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل ہی جائیگا فانی | مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا | فانی

اور بر وزن فع۔

رنگ و داغ گل لالہ سے یہ معلوم ہوا | حسن اور عشق ہوئے دونوں برابر پیدا | ناسخ

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے | عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا | غالب

تاب لاتے ہی بنے گی غالب | واقعہ سخت ہے اور جان عزیز | ,,

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کیساتھ | بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ | مومن

کبھی تیوری چڑھا کر دیکھ لیا | اور کبھی مسکرا کے دیکھ لیا | جلیل مانکپوری

صبر مشکل ہے ضبط ہے دشوار | دل وحشی ہے اور جنون بہار | حسرت موہانی

سو بجائے وہ۔

شب گشت پائے جس میں کہیں یہ نور افشانیاں | جو تیرا نقش قدم تھا سو گل مہتاب تھا | ناسخ

چارۂ دل سوائے صبر نہیں | سو تمہارے سوا نہیں ہوتا | مومن

شکوہ ہے غیر کی کدورت کا | سو مرے خاک میں ملانے کو | ,,

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے | جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے | غالب

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی | اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے | ,,

میری ہستی اک صدا ہے جو نہ آئے کان میں | شور پنہاں ہوں سو وہ بھی نالۂ بے درد کا | نسیم دہلوی

اور احباب تو کیا ساتھ ہمارا دیتے | ایک سایہ تھا سو وہ بھی سب ہجراں میں نہیں | جلیل

نہ پا سکتے کبھی پابند رہ کر قید ہستی میں | سو ہم نے بے نشاں ہو کر تجھے اوبے نشاں پایا | ,,

کوئی مریض غم کا دم واپسیں نہیں | اک جان ہے سو وہ بھی کہیں ہے کہیں نہیں | عزیز لکھنوی

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم | رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم | فانی

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی — سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی — غالب

ع. جفا سو تقدیر آرزو ہے ہٹاؤ بھی اپنا کام دیکھو — فانی

نصیب ہو بھی تو کیا لطف وصل یار میں ہے — سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہے — ״

قضا پہ اب ہے مری زندگی کا دارومدار — سو وہ بھی ان کی اداؤں کے اختیار میں ہے — ״

سدا بہ معنی ہمیشہ

مرے غوغائے شب سے صبح گاہاں — سدا دیوا میں شور دادخواہاں — مومن

سدا سودائیوں کی طرح بکنا — در و دیوار کو حیرت سے تکنا — ״

اسی پر بھروسا ہمیشہ کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم — حالی

مگر دھیان ہے جن کو ہر دم خدا کا — ہے تعلیم ہی کا سدا جن میں چرچا — ״

جاری ہے متصل سدا خون — شاید دلِ زار کا ہوا خون — مومن

روشن بیانی سے تیری رنگین کلامی سے تیری — شرمندہ ہوتا ہے سدا نورِ سحر رنگِ شفق — ذوق

کہ روز تجھ کو خوشی ہو افزوں عدو ہوں سرنگوں و محزوں
یہ جشن ہو فرخ و ہمایوں سدا بصد فر و شوکت و شاں — ذوق

دنیا میں سدا رہتا ہے فرزند نہ شوہر — کیوں روتی ہے اللہ کا سایہ تو ہے سر پر — انیس

لاکھوں ہوں تو ہے تیغ بہر کیف ہماری — کرتی ہے صفیں صاف سدا سیف ہماری — ״

اوج دیندار کو بے دیں کو سدا پستی ہے — اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے — ״

فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا — بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں — غالب

تلے۔

اس کو لذت عشق کی اصلا نہیں — جو ترے خنجر تلے تڑپا نہیں — مہر لکھنوی

نشست خاک پہ تھی سایہ شجر کے تلے   رواں تھا چشمہ آب خنک نظر کے تلے   چکبست لکھنوی

پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا   تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا   حالی

تھی بہت ان کو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر   بولے مسجد کے تلے مو کا بھی سامان ہے   اکبر الہ آبادی

شور دہل تھا حشر تھا افلاک کے تلے   مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے   انیس

ع۔ وہ دل ہے جو ترے تلوؤں تلے ہوا پامال   داغ

غیر کا دل کہیں تلوؤں کے تلے تو نے ملا   فتنہ ہر ایک تیرا نقش قدم ہوتا ہے   داغ

وہ الفاظ جو عربی فارسی میں کچھ معنی رکھتے ہیں اور اُردو میں کچھ اور مفہوم ادا کرتے ہیں لیکن اب اپنے اُردو مفہوم میں غلط بتائے جاتے ہیں۔

لفظ	عربی یا فارسی معنی	اُردو معنی	سند
دِقت	باریکی	مشکل	یہاں سے اس نے مصر کا رُخ کیا۔۔۔۔ جو بے دقّت اس کے قبضہ میں آگیا۔ (محمد حسین آزاد سکندرِ اعظم) بلا دقّت میں نچاؤں تیری ساس۔ اکبر الہ آبادی "ان میں اور شعر میں حدِ فاصل قایم کرنا مشکل ہو زیادہ دقت اس لئے ہوتی ہے" (شعر العجم حصہ ۴)
اوقات	جمع وقت	حیثیت	"میں تو غریب آدمی ہوں ٹکے کی اوقات" (جام سرشار صفحہ ۱۹۴)
عرصہ	میدان	مدّت	"اور عرصہ دراز کے بعد اس کی زبانوں کو

سند	اردو معنی	عربی فارسی معنی	لفظ
ادبی شان نصیب ہوئی"۔ (تنقیدات عبدالحق صفحہ ۲) یہاں عرصہ ترکیب اضافی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو / عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے — غالب / تواں بہ عرصہ چند روز یا دو ماہ رسید (نعمت خاں عالی) یہاں بھی ترکیب اضافی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ "یہ بھی تجویز ہے کہ اس انجمن کی سرپرستی میں ایک رسالہ اُردوئے معلیٰ کے نام سے جاری کیا جائے"۔ (تنقیدات عبدالحق) "اس لئے میں نے ہوش سنبھال کر اپنا سرپرست بھائی بہنوں کے سوا کسی کو نہ پایا"۔ (حالی از خود نوشت سوانحعمری مندرجہ سیر المصنفین) "اور کتاب کو اُردو کے سب سے بڑے سرپرست اعلیٰ حضرت نظام کی طرف	مربی	خادم	سرپرست

لغت	عربی فارسی معنی	اردو معنی	سند
			سنیت دیگر نظام اردو کے نام سے موسوم کر دیا۔" (نظام اردو صفحہ ب از آرزو لکھنوی)
معافی	صیغہ اسم فاعل بمعنی عفو کنندہ	چھما	"طبع کے بعد معافی مانگنا یہ اور ستم ہے" (تنقیدات عبدالحق) "غلام نے دست بستہ عرض کیا کہ پیر و مرشد اس مرتبہ معاف فرمائیں۔" (فسانۂ آزاد جلد اول صفحہ ۴۱) "لیکن اس قسم کے اشعار کل مثنوی میں دو فیصدی سے زیادہ نہ ملیں گے لہذا قابل معافی ہیں۔" (چکبست مباحثہ گلزار نسیم صفحہ ۴۳) یہاں معافی ترکیب اضافی کے ساتھ آیا ہے۔
فرصت	نوبت۔ آرام پانا	مصروفیت نہ ہونا	"ہر خط میں آلام و امراض گوناگوں کا رونا اور قلت فرصت کا رونا ہے۔" (تنقیدات عبدالحق) یہاں ترکیب اضافی کے ساتھ ہے۔ دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے غالب

مضطر	بے اختیار و بیچارہ	بیقرار	فرصت ناز بھی پہروں نہیں ملتی افسوس وہ ہے مصروف ستم ہائے فراواں کوئی — داغ ترکیب اضافی کے ساتھ ہے۔ اس کی چتون پھرتے ہی محفل میں اُتھل پڑ گئی مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر لے چلا — داغ یہ بجلی نہیں جس کی اک سیر کر لی تڑپ جاؤ دیکھو جو مضطر کسی کو — داغ دل سینے میں تھا زبسکہ مضطر رعشہ کا سا تھا خلل بدن پر — مومن تیرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا — مومن مضطر ہوں چین آئے پر آتا نہیں مجھے رونے میں منہ تیرا نظر آتا نہیں مجھے — انیس مضطر ہے دل بہن کا سنبھل لے تو جائیے اچھا ذرا سکینہ بہل لے تو جائیے — انیس تاریک تھا چکاروں کی آنکھوں میں سب جہاں مضطر تھے شیر و گرگ نکالے ہوئے زباں انیس

لفظ	عربی فارسی معنی	اردو معنی	سند
			گھڑیال زیرِ آب تھے مضطر ادھر اُدھر جاگہہ پناہ کی کہیں ملتی نہ تھی مگر — انیس شہ کے غضب سے چاہتی تھی ہر کماں اماں مضطر زمیں تھی مانگتا تھا آسماں اماں " ع۔ ساتھ اپنے انھیں لیکے گئی بانوئے مضطر " ع۔ دیکھتے جاؤ ہمارے دلِ مضطر کے مزے — داغ ع۔ چلّائی در سے زینبِ مضطر بھی وا اخا — دبیر "جوگن سوچی کہ اگر شہسوار وہاں آجائیگا تو اور بھی مضطر و بیقرار ہو کر آئے گا۔" (فسانۂ آزاد حصہ دوم صفحہ ۲۱) اوپر کی مثالوں میں مضطر ترکیب اضافی و عطفی کے ساتھ بھی آیا ہے۔
فضا	فراخی زمین و کشادگی صحن	ماحول، بہار، کیفیت	"اگر اردو کے معنی لئے جائیں تو بہار ہو سکتے ہیں۔" (شوق قدوائی مرقع ادب صفحہ ۹۱) اک داغ رہ گیا ہے سو وہ بھی مٹا مٹا دل میں بہارِ عشق کی اب وہ فضا نہیں — داغ ع۔ سنا جو کرتے تھے وہ باغ پُر فضا ہے یہ ع۔ ازل میں جو تھی فضا اس کا یادگار ہے یہ — چکبست

لفظ	عربی فارسی معنی	اُردو معنی	سند
			جہاں میں دید کے قابل ہے اب فضائے بہار قفس کو لے اُڑی ہے میرے ہوائے بہار عزیز لکھنوی عزیز کے شعر میں فضا بمعنی کیفیت ہے۔ گیا با فضا یہ سرد ترائی ہے اب اُٹھو ہم جاں بلب ہیں ختم لڑائی ہے اب اُٹھو انیس غنچہ مسکراتے ہی پھول بن کے مرجھایا یہ فضائے عالم ہے یہ بہار ہستی ہے احسن مارہروی مص. وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا۔ انیس مص. دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام ،، منو پڑھنے لگی چلنے لگیں سرد ہوائیں جاں آ گئی افزوں ہوئیں باغ کی فضائیں نفیس "فضائے صحرا قابل تحریر کیفیت دشت۔ گلشن آسا لائق تحریر" (فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور) اوپر کی مثالوں میں فضا تراکیب فارسی کے ساتھ بھی آیا ہے۔

سند	اُردو معنی	عربی فارسی معنی	لفظ
کسی کی محرم آبِ رواں کی یاد آئی حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا — آتش	انگیا	واقف کار	محرم
پئے شادی کوئی تاریخ بہتر کرو تقویم کی رو سے مقرر امیر اللہ تسلیم وزیروں سے کہا شہ نے بہ تکرار کہ ہو سامان شادی جلد تیار	بیاہ	مسرت	شادی
ایک نے مجمع سادات میں بڑھ کر یہ کہا گرچہ اس لطف کے مشکور رہیں ہم خاک نشیں — شبلی آپ کے لطف و کرم کا مجھے انکار نہیں حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں " " نہ یہ کہ سارا پنجاب خاص اُردو کی واقفیت کے لئے ان کا مشکور رہے۔" (منشورات از کیفی دہلوی) ع۔ نہ ہو مشکور پھر کیوں بندہ لطف کبریائی کا ذکی تلمیذ غالب "مدت کے بعد نامہ سعادت آیا۔ ممنون و مشکور کیا۔" (امیر مینائی مرقع ادب صفحہ ۴۴) یہاں ترکیب عطفی کے ساتھ آیا ہے۔	شکر کرنیوالا	شکر کیا گیا شکوۃ	مشکور

سند	اُردو معنی	عربی فارسی معنی	لفظ
"فوجی نے آزاد سے بہ منت وسماجت کہا" فسانۂ آزاد حصہ دوم صفحہ ۱۵۴ ہاتھوں نے دوڑ کر بلائیں لیں دل نے کی بڑھ کے منت و زاری — منیر شکوہ آبادی اس نے مانی نہ کوئی میری بات منتیں کر کے بات بھی کھوئی — داغ	خوشامد	احسان کرنا	منت
شب فراق کی تکلیف سے یقیں آیا مقابل اس کے جہنم میں عیش ہوتا ہے — داغ عید اک روز جہاں ہیں رمضاں ہے اک ماہ بعد ہے کثرت تکلیف کے یاں عیش قلیل ذوق لگا ہر موئے تن کرنے گرانی بڑھی تکلیف روز ناتوانی — امیر اللہ تسلیم وہی تکلیف دل رنج سے ہویدا وہی راز نہاں ظاہر سے پیدا" یہاں فارسی تراکیب کے ساتھ بھی آیا ہے۔	دُکھ	کار فرمودن	تکلیف
"وہ جو ہری بچہ ڈٹا ہوا ہے اور بڑی خاطریں ہو رہی ہیں" جام سرشار صفحہ ۳۰۷	آؤ بھگت	دل	خاطر

سند	اردو معنی	عربی فارسی معنی	لفظ
"ان کی خاطر داری اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔" (سکندر اعظم از محمد حسین آزاد) عزیز رکھتا ہے کرتا ہے خاطریں میری ملا ہے خوبیٔ قسمت سے قدر دان صیاد (رند) ع۔ نانا کی طرح خاطر امت تھی زیادہ (انیس) انیس نے ترکیب اضافی کے ساتھ لکھا ہے عاشق کو نہیں دیکھتے ہیں دیکھنے والے ہر مرتبہ تلوار کو دیکھا ہے دیکھا (داغ) "نیز اس کی متعدد مرتبہ کی اشاعت اس کی عام پسندی میں پیش کی جاسکتی ہے۔" (احسن مارہروی از نثر اردو ۲۷۹) آج پہلی مرتبہ ایک آدمی کو نیچا دکھایا تھا۔" (فسانۂ آزاد جلد دوم صفحہ ۱۵۱) اردو تو اردو اب فارسی میں بھی بار یا دفعہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ "از آں جملہ نہ سال وہشت ماہ مرتبہ اول حکومت نمودہ بعد ازاں پانزدہ سال مرتبہ ثانی..." (از "زینت الزمان" ذکر جلوس ہمایوں)	بار یا دفعہ	درجہ و رتبہ	مرتبہ

لفظ	عربی یا فارسی معنی	اُردو معنی	سند
غصہ	اندوہ	غیظ	قلزم کے بدن میں لگ گئی آگ منہ پر غصہ سے آگئے جھاگ (منشی جوالا پرشاد برق) وہ جب آگ ہوتے ہیں غصہ سے مجھ پر تو بھڑکاتے ہیں اور چمکانے والے (داغ) یوں تیر کھائے فوجوں پہ جاتے تھے وہ دلیر غصہ میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر (انیس) میرا دل میرے اشک غصہ تمہارا نہیں رکتے روکے سے یہ آنے والے (داغ) غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے (آتش)
روزگار	زمانہ	ذریعہ معاش	"ایک لڑکی چھ مہینے کی گود میں ابھی تک کوئی صورت روزگار نہیں اور نہ کہیں سے اُمید ہے۔" (شریف زادہ از مرزا رسوا لکھنوی)
سرشار	لبریز	نشہ میں مست	آنے یوں پلٹے ہوئے عالم سرشاری میں نالۂ زیر کے ہمراہ ہو جوں نالۂ بم (ذوق)

سند	اُردو معنی	عربی فارسی معنی	لفظ
فارسی ترکیب کے ساتھ آیا ہے۔ اے نزاکت تیرے قربان کہ وقت رخصت وہ کہیں ہم سے تو گھر تک نہیں جایا جاتا داغ فارسی ترکیب اضافی کے ساتھ آیا ہے۔	جانا	اجازت	رخصت

میں نے چند الفاظ مثال کے طور پر پیش کر دیئے۔ یہ الفاظ اُردو معنی میں مجرد ہی استعمال نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض ان میں سے تراکیب اضافی و عطفی کے ساتھ بھی آئے ہیں۔ یہاں ایک اور سوال پیدا ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اُردو مفہوم میں ان کا استعمال مسلّم مگر اسی مفہوم میں ترکیب اضافی و عطفی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔ اساتذہ نے جب اس کی مثال قائم کر دیں تو ضرور جائز ہونا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ فارسی مدّت ہوئی گئی کتنے ہیں جو اس زبان سے اور اس کے قواعد سے واقف ہیں عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا اُردو داں بلکہ اب فارسی داں بھی مستعملات کی پیروی کرتے ہیں بلکہ یہ بے اختیار ان کی زبانوں پر آتے اور قلم سے نکلتے ہیں۔

وہ الفاظ اور ترکیبیں جو اپنی ساخت میں غلط بتائی جاتی ہیں۔

سند	کیفیت	لفظ
"مس کر کسی مَنَشّی دوا سے بیہوش کر کے بھگا لے گیا" (جامِ سرشار، از رتن ناتھ سرشار صفحہ ۲۳۹)	نشہ سے بنایا گیا بہ معنی نشہ کرنے والی چیز	مَنَشّی

لفظ	کیفیت	سند
نشیلی	نشہ سے رسیلی کی طرز پر بنایا گیا	مجھے اس سے گر تشنہ کامی ہماری نشیلی ہو شیریں کلامی ہماری — مومن ع۔ یوں نشیلی ایسی متوالی نہیں — داغ "تاک ہیں دل کی ہو نشیلی آنکھ اور کہتے ہیں ہوشیار کسے" ״ مروت بھی ہو تیری آنکھ میں کاش نشیلی ہے رسیلی ہے بڑی ہو "
مرغن	فارس والوں نے بہت سے الفاظ عربی کے طور پر بنائے ہیں مثلاً مرغن، مزیب، مزلف، مکتب، وغیرہ	"کہ دال ماش اور رنجپا تیاں نگل لیں مرغن، اشرفی لقمہ" (فسانہ آزاد جلد اول) "تاریخ بناش گفت حمام شریف شد مزیب (والہ بردی) سر ریہ گشت مزین بعد حلی و حلل ملک نشست مزیب بعد قبول و جمال — نظیری "ان کے کھانے بہت مرغن ہوتے تھے" (مولانا عبدالحق از چند ہمعصر)
زہریلی	نشیلی کی طرز پر زہر سے بنایا گیا	"معشوق کی آنکھ کو زہریلی شعرائے فارس نے بھی کہا ہے۔" (شوق قدوائی مرقع ادب صفحہ ۸۸)

لفظ	کیفیت	سند
عادی	عادت سے بنایا گیا	تیری چاہت ہے زہریلی غذا جانے اثر کیا ہو ابھی سے زندگی ہے تلخ آگے کیا خبر کیا ہو ع ۔ ہم جو عادی ہو گئے ہیں دشنام کے ع ۔ قفس میں بند ہیں جو آشیاں کے تھے عادی چکبست تیغ ابرو کی زباں عادی ہوئی بات سیدھی جو بھی کی ٹیڑھی ہوئی
سوائے	اصل لفظ سوا ہے اردو میں سوائے برابر مستعمل ہے	"سوائے وہی ڈینگ اور کوئی بات نہیں" (جام سرشار صفحہ ۱۷۵) کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے "ان سب نسخوں میں سوائے ایک کے یہ شعر یوں لکھا ہے۔" (تنقیدات عبدالحق صفحہ ۲)
بہتات	عربی فارسی میں کوئی لفظ نہیں اردو میں زیادتی اور کثرت کے معنی میں آتا ہے۔	دل ہمارا مورد آفات ہے رنج کی بہتات سی بہتات ہے اس کا ظہور جو دیتا تھا ذروں کو بہتات جرم خورشید سے ہوتی تھیں شعاعیں تنزل ذوق

لفظ	کیفیت	سند
		گوناگوں تتلیوں کی بہتات کب ہوتی ہے جب خوب ہو برسات — منیر لکھنوی
بدحواسی	فارسی میں بے حواسی مستعمل ہے	کیا کہوں وجہ بدحواسی کی ہوش پراں ہیں رنگ محفل سے — داغ رنج سے میرے کچھ اداس نہ ہو یوں تو للہ بدحواس نہ ہو نواب مرزا شوق
بدحواس	" " "	ع۔ سمجھ لیا ہے ستمگر نے بدحواس مجھے — داغ بجائے مے دیا پانی کا اک گلاس مجھے سمجھ لیا میرے ساقی نے بدحواس مجھے " "شیریں کہ ان کی بدحواسی اور غم وغصہ اور رنگ چہرہ کے پرواز پر بغور نظر ڈال رہی تھی۔" جام سرشار صفحہ ۱۴۰
تلاشی، تلاشنا	ترکی لفظ تلاش سے بنے ہیں۔ معنی مثالوں سے ظاہر ہیں۔	نکلا ہے تلاشی سے فقط ایک درم داغ یاروں کو میرے دل پہ ہزاروں کا بھرم تھا داغ ع۔ جلوت میں یوں ہے وہ کہ تلاشی ہے چشم شوق داغ

سند	کیفیت	لفظ
ختم ہے شوخیٔ الفاظ و تلاش مضموں ہی تو یوں داغ سخنور رہی سخنور پورا — داغ پامال کرکے خاک اڑا دو ہوا میں تم ناحق ہی فکر گور تلاش کفن عبث — " شب کو خیال رہتا ہی اک رشک حور کا ظلمت میں دل میرا متلاشی ہی حور کا — آتش ع۔ دل تلاش است آں شکر لب را — مثنوی "یہ بہار دیکھ کر اپنے رفقاء سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا میں اسی عیش و عشرت کا نام بادشاہت ہی" (سکندر اعظم از محمد حسین آزاد) **اسی طرح نزاکت ہے۔** ع۔ اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا۔ غالب نازک فارسی لفظ ہی اس کا مصدر نزاکت عربی کے قیاس پر بنا لیا ہے لیکن اساتذۂ فارسی کی یہ گڑھت ہی جس کی تقلید آنکھ بند کرکے اردو والے کرتے ہیں۔ اسی طرح اردو میں بھی چاہئے	چاہت کے طرز پر بادشاہ سے بن گیا۔	بادشاہت

لفظ	کیفیت	سند
		کا اسم مصدر رجاہت اور رنگ سے رنگت اور اسی طرح بادشاہت بنایا ہے اور محاورے نے اور اساتذہ کے استعمال نے ان سب لفظوں[1] کو صحیح بنا دیا ہے۔" (علی حیدر طبا طبائی)
رہائش	فارسی کے حاصل مصدر کی طرح بن گیا۔	انشا کی دریائے لطافت میں صفحہ ۱۴۱ پر اور رسالہ صبح اُمید میں جس کے ایڈیٹر چکبست تھے صفحہ ۳۱۳ پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ "اس شہنشاہ اقلیم سخن نے زندگی کے آخری نو سال اس (POOR QUARTER) میں بسر کیے جس کے سیمنٹ کے بنے ہوئے درو دیوار گرمی کے زمانے میں تپ کر ماحول کو ناقابل رہائش بنا دیتے تھے۔" (ماہر القادری علیگڈھ میگزین فانی نمبر صفحہ ۱۹)
قدیمی	اصل لفظ قدیم ہے	"میں ہوں آپ کا قدیمی دعاگو" (امیر مینائی مرقع ادب صفحہ ۲۴) "ہندوستان کے قدیمی عہد میں جبکہ سنسکرت زندہ زبان مانی جاتی تھی۔" (تاریخ نثر اردو از احسن مارہروی صفحہ ۳)

سند	کیفیت	لفظ
آسودہ باد خاطرِ غالبؔ کہ خوئے اوست آمیختن بہ بادۂ صافی گلاب را غالبؔ آبِ صافی ہیں یہ شکلِ ابرِ تر ہے برستا قطرہ قطرہ خاک پر غالبؔ	اصل لفظ صاف ہے	صافی
نہیں گرچہ کچھ دردِ اسلام ان کو نہ بہبودیٔ قوم سے کام ان کو حالیؔ "لیکن زبان کی بہبودی ان کی یا کسی کی خوشنودی پر فوقیت چاہتی ہے" (منشورات از کیفیؔ دہلوی صفحہ ۲۷)	اصل لفظ بہبود ہے	بہبودی
"تبادلۂ خیالات کے بعد انھوں نے مجھ کو اس کام کے لئے مجبور کیا" (نظامِ اردو از آرزوؔ لکھنوی صفحہ (خ))	عربی فارسی میں کوئی لفظ نہیں	تبادلہ
یہاں ترکیبِ اضافی کے ساتھ آیا ہے۔ "نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک قافیہ کو مکرر سہ کرر باندھنا پڑتا ہے" (شعر الہند از عبد السلام ندوی صفحہ ۲۰۹) "بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ کہیں ان	مکرر کے طرز پر بن گیا ہے	سہ کرر

[illegible]	کیفیت	[illegible]
		باتوں کے بار بار دہرانے میں اور مکرّر سہ کرر سننے میں لطف آتا ہے۔" (جاپانیوں کی قومی کہانی از عبد الحلیم شرر)
	بے اور لا دونوں بمعنی نہیں ہیں ایک فارسی ہے اور ایک عربی دونوں کا جوڑ غلط بتایا جاتا ہے اور پھر دونوں کے معنی "نہیں" ہیں	"اُردو کی اصل وہی زبان مانی جا سکتی ہے جس کے الفاظ سے بلا شرکت غیرے کوئی ایسا جملہ بن جائے جسے اُردو کہہ سکیں۔" (نظامِ اُردو از آرزو لکھنوی صفحہ ۸) ع۔ بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس (اکبر الہ آبادی)
ر	لا عربی اور چار فارسی دونوں کا جوڑ غلط بتایا جاتا ہے۔	قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا ذوق ع۔ اک فقط رنگ پہ قابو نہیں لاچاری ہے۔ تعیش کے ہاتھوں سے لاچار ہیں سب تن آسانیوں میں گرفتار ہیں سب حالی
مد	بمعنی حد زیاد	"اس ننگ کو لیلےٰ کے باپ نے گوارا نہ کیا قیس کو ازحد رنج ہوا۔" (شریف زادہ از مرزا رسوا صفحہ ۵۹)

لفظ	کیفیت	سند
	•	"ہیبت کا یہ جنون دماغوں پر آجکل ازحد طاری ہے" (منثورات کیفی صفحہ ۳۲)
	•	بہت نادم مخجل ازحد نہایت منفعل ہو گئے اگر منہ ڈال کر دیکھو گے تم اپنے گریباں میں (حکیم محمد انور)
ازحد	بمعنی ازحد زیاد	گرچہ ازحد ہوں گنہگار مسلمان تو ہوں پیچھے پیچھے میرے دوزخ میں بھی جنت آئی (داغ)
بو باس	ایک لفظ فارسی ایک ہندی	ع۔ بو باس غیر کو تیرے پھولوں کے ہار میں (داغ)
پھبتی پہنا	؍؍ ؍؍ ؍؍	"جدید لیکن پھبتی پہنا تشبیہیں بھی اس رنگ کا ایک لازمی جزو ہیں" شعر الہند صفحہ ۳۰۲
ڈھلمل یقین	ایک لفظ ہندی ایک عربی	"بلکہ کل سے بھی ضعیف الاعتقاد اور ڈھلمل یقین ہیں"۔ (منثورات از کیفی دہلوی صفحہ ۱۶۳)
سمجھدار	ایک لفظ ہندی ایک فارسی	"سمجھدار آدمی سے زیادہ کہنا دیوانہ پن ہے۔ (منثورات صفحہ ۲۵۶)
تابعدار	تابع کے ساتھ دار زاید ہے	ع۔ غمخوار یاں کی رہیں ماؤں کی تابعدار تم۔ حالی "اور اس کی تابعداری پر آپ کو گھمنڈ بھی بہت بڑا ہے" (حسن نظامی از دیا سلائی)

لفظ	کیفیت	سند
فوق البھڑک	ایک لفظ عربی ایک ہندی	"قمیص فوق البھڑک لباس زیب تن کئے اتراتی پھرتی تھی۔" (جام سرشار صفحہ ۲۳۹)
لگاوٹ باز	ایک لفظ ہندی ایک فارسی	"انکھڑیاں لگاوٹ باز" (جام سرشار صفحہ ۲۳۹)
غریب خانہ	ایک لفظ عربی ایک فارسی اور غریب بمعنی عجیب ہے نہ کہ مفلسی	غرض جہان سے کیا اے فلک بھرے ہوتے غریب خانہ ہے موجود سر بلا کے لئے داغ
گرانڈیل	ایک لفظ فارسی ایک ہندی	"وہ بڑے گرانڈیل اژدہوں کی طرح منہ کھولکر.........." (جام سرشار صفحہ ۴۱۶)
دنگی باز	"	"اتنے میں ایک دنگی باز کو سوجھی" (فسانہ آزاد صفحہ ۲۱)
بیساختہ پن	ایک لفظ فارسی ایک ہندی	زیور کی نہیں حاجت ہرگز بھی حسینوں کو معشوق وہ ہے جس میں بیساختہ پن ہوگا داغ پن کے ساتھ بہت سے مرکب آتے ہیں جیسے دیوانہ پن، غلط پن وغیرہ۔
گل تکیہ	ایک لفظ ہندی گل مخفف گال کا اور تکیہ عربی	وہ گل تکیہ میرے مرقد میں رکھنا معطر ہو جو زلف مشکبو سے داغ

سند	کیفیت	لفظ
وہ رہگذر وہ کوچہ وہ در مجھ سے کب چھٹا کچھ ہوش کا لگاؤ بھی دیوانہ پن میں ہے داغ ع۔ کیا جانے کہہ دیا اُسے دیوانہ پن میں کیا داغ	ایک لفظ فارسی ایک ہندی	دیوانہ پن
"مگر ان کی بے پروائی اور لاابالی پن سے کچھ بعید نہیں" (مرقع ادب صفحہ ۴۲)	ایک جزو عربی ایک ہندی	لاابالی پن
قفس ہی میں جائیں گے ہم گلستاں سے ہمارا یہاں دانہ پانی نہیں ہے داغ کوئی دن کی اب ہوا کھاتے ہیں ہم دانہ پانی کا مزا جاتا رہا داغ	ایک جزو فارسی ایک ہندی	دانہ پانی
غلطیہائے مضامیں مت پوچھ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں غالب وائے بر شاعرانِ نادیدہ غلطی را بخود پسندیدہ " غالب کے شعر میں ترکیب اضافی کے ساتھ ہے کس کی یہ تاب کہ دیکھے غلطی خط کو لکھ کر نہیں دیکھا جاتا داغ	اصل لفظ غلط ہے	غلطی

لفظ	کیفیت	سند
جوڑ بند	ایک جزو ہندی ایک فارسی	دیکھی نہیں کسی نے یہ چھل بل سمند میں پارہ بھرا ہوا ہے ہر ایک جوڑ بند میں — انیس
طرفدار	بمعنی جانبدار استعمال ہوتا ہی ایک لفظ فارسی ایک عربی	دل روزِ حشر اس کا طرفدار ہو گیا بگڑا میرا معاملہ جھوٹے گواہ سے — داغ مصرع- طرفداری قیامت میں کریگا پاسباں میری " ہم تو دیوانہ ہیں مجنوں کی کہے جائیں گے ہیں جیسں آپ طرفداری لیلا کیجئے (محوی لکھنوی)
تحت میں	تحت کے ساتھ میں زائد ہی	"اور ہر نمونے کے تحت میں جتنے علوم و فنون کے مرقع مل سکے ہیں...." (تاریخ نثر اردو از احسن مارہروی صفحہ ۳۴) اس کتاب میں دسیوں جگہ احسن مارہروی نے اسی طرح لکھا ہی۔
پاٹ دار	ایک جزو ہندی ایک فارسی	اے ہمصفیر میری فغاں کا ہی رنگ اور آواز پاٹ دار کہاں عندلیب کی — داغ
دن بدن	دن ہندی اور بہ فارسی سے جوڑ لگایا گیا	"اور ایک ایسے نئے فساد کی بنیاد قائم ہو گئی جو دن بدن بڑھتا اور پھیلتا جاتا ہی"۔ (مولانا عبدالحق از رسالہ ہمایوں مئی سنہ ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۳۲)

لفظ	سند

اس ترکیب کے متعلق علمائے فن کہتے ہیں کہ بہ کی جگہ پہ ہندی ہو چو صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں یہ فارسی ہی ہے۔ حالی نے اسی انداز پر "گھر بہ گھر" اور "گانوں در گانوں" لکھا۔ ملاحظہ ہو۔

سند: گانوں در گانوں نوبت بہ نوبت پھرتے پھرتے ہیں کرتے تحصیل دولت

یہی جھینکنا کو بکو گھر بہ گھر ہے بہو کو ٹھکانا نہ بیٹی کو بر ہے

حالی

جن الفاظ میں ایک جزو ہندی ہے ان کے ساتھ تو اجارہ داران زبان کی یہ دھاندلی چل بھی سکتی ہے وہ بھی نہایت محدود دائرے میں لیکن جن ترکیبوں اور لفظوں کا ایک جزو فارسی اور دوسرا عربی ہے ان کے متعلق کیا کہا جائیگا اور ایسے ہزاروں الفاظ ہیں اور ہر وقت ترکیب پاتے رہتے ہیں مثلاً خیمہ گاہ، ارادت کیش، عقیدت مند وغیرہ وغیرہ ان کا سکہ تو فارسی میں بھی رواں ہے جس نے ہندی لفظوں کے ساتھ بھی تعصب نہیں برتا اور بہت سے الفاظ مثلاً بادلہ پوش، چہرہ بند، جھگڑا، گلاب، لنگن وغیرہ وغیرہ اپنے دامن میں لے لئے۔ اگر یہی قانون سختی کے ساتھ برتا جائے گا تو وہ فارسی عربی الفاظ بھی اخراج کے مستوجب ٹھہریں گے جن کی جمع دوسری زبان کے قاعدہ سے بھی رائج ہو مثلاً عزیز کی جمع عزیزاں۔ عالم کی عالماں۔ واحد عربی اور جمع فارسی۔

اگر یادگار عزیزاں یہی ہے اگر نسل اشرف واعیاں یہی ہو حالی

ہوا بگڑی دعا ہائے سحر کی ہوئی اب آبرو تشرگان ترکی مومن

دُعا عربی ہے اور جمع فارسی قاعدے سے بنائی گئی۔ اسی طرح فارسی الفاظ کی جمع عربی قاعدے سے بنا دیتے ہیں جیسے لکھتے ہیں فرمودات اِقبال۔

مندرجہ بالا الفاظ اور ترکیبوں کے علاوہ اکثر ذیل کے الفاظ اور ترکیبوں پر بھی میری نظر سے اعتراضات گزرے ہیں اور ان کو غلط بتایا گیا ہے۔ ان کے اسناد بھی لکھتا ہوں۔

لفظ	سند
قریب قریب	"اور اس کی ترکیب نثر قریب قریب وہی شان رکھتی ہے۔" (تاریخ نثر اُردو از احسن مارہروی صفحہ ۲۳) "غزل سرائی میں آجکل کے شعراء کی قریب قریب وہی زبان ہے۔" (گلزارِ نسیم پر ریویو از مولوی عبد الحلیم شررؔ صفحہ ۲۰ مباحثہ گلزارِ نسیم) "یہ سب کچھ ہی مگر دشواری یہ ہے کہ اُستادی اور شاگردی کی وہ رسم قدیم جس کا سلسلہ قریب قریب منقطع ہو چکا ہے۔" (حسرت موہانی از متروکات سخن صفحہ ۲)
معرکۃ الآرا	"دونوں کے موازنہ اور مقابلہ کا مسئلہ اُردو شاعری کی تاریخ کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا۔" (شعر الہند از عبد السّلام ندوی صفحہ ۲۱۶ اِسی کتاب کے صفحہ ۲۶۶ و ۲۰۹ پر بھی یہ ترکیب استعمال ہوئی ہے)
شائقین	"اس کے بعد مثنوی طلسم الفت شائقین سخن کے ہاتھوں میں آئی۔" (شعر الہند صفحہ ۱۸۶)

لفظ	سند
	ع۔ نہ لگے شوق ہیں جس کے کبھی شائق کی پلک
قدیم الایام	"اور چونکہ اہل عرب قدیم الایام سے فن کتابت میں طاق تھے۔" (منشورات از کیفی دہلوی صفحہ ۳۹)
	"یورپ میں بھی قدیم الایام میں ہمیں بانکوں کا ایک گروہ نظر آتا ہے۔" (بانکے از عبدالحلیم شرر)

اسی سلسلہ میں چند اور مفید باتوں کا اضافہ کئے دیتا ہوں۔ ان میں پہلے فارسی اضافت و عطف کا مسئلہ آتا ہے۔ اضافت کی غرض اختصار کلام اور چستی بندش ہے۔ قاعدہ کی رو سے ہندی الفاظ کے ساتھ نہ فارسی اضافت جائز ہے نہ عطف۔ جیسے "موسم برسات" یا "رنگ و روپ" کہنا غلط ہے۔ لیکن اردو کی روز افزوں توسیع کہہ رہی ہے کہ اس زنجیر کو بھی ڈھیلا کرنا ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمہور تو دور علماء و فضلا کو بھی ایسی ترکیبوں سے مفر نہیں مثلاً "ممبرانِ لیگ" "کارکنانِ کانفرنس" "افرادِ کمیٹی" "طلبائے کالج" "کاریگرانِ مل" "افسرانِ محکمہ" "لیڈرانِ ملک" وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے اس کا جواب دیا جا چکا۔ بالکل اسی طرح شروع شروع میں عربی فارسی کے پیوند لگے ہوں گے نظم میں بھی اس کا عمل شروع ہو گیا ہے۔

کنارا کیجئے گا صحبتِ رندانِ کالج سے
غضب ہی ڈھائیں گے اے شیخ یہ پڑھتے ہیں انگریزی — عزیز لکھنوی

اس سے پہلے انیس کہہ گئے ہیں۔

ذلت اٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ — رہ کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ — انیس

"کانسل نے جو خطوط افسران عالی مقام اور......"

اردو تو اردو فارسی والوں نے بھی اپنے یہاں یہ عمل شروع کر دیا ہے۔ ایک ایرانی شاعر محمود طرازی لکھتا ہے۔

بیا ۔ ببیں کہ در جہاں چگونہ گشتہ کار ہا — جہاں جہاں ریل شد زماں زماں تارہا

مرزا غالب نے اپنے سہرے میں ممبر کا لفظ استعمال کر دیا تھا تو وہ مدتوں معرض اعتراض بنا رہا وہ ایسا ہی زمانہ تھا۔ اب یہ سب کچھ جائز ہے۔ "تاریخ نثر اردو میں احسن مارہروی صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں "ان کی وضاحت ایک مخصوص نقشہ میں کی گئی ہے جس میں کتاب "کا نمبر ترتیب" کتاب کا نام......"

اس قسم کی مثالیں نظم میں اکبر الہ آبادی کے یہاں بہت ملتی ہیں۔

یہ ساری ترکیبیں اردو کو گوارا ہیں مگر عربی فارسی کے ساتھ ہندی کا رشتہ گوارا نہیں۔ اگر کسی نے "موسم برسات" یا "رنگ و روپ" لکھ دیا فوراً اس کی تحریر ساقط الاعتبار ہو گئی۔ اردو کے اگلے بزرگوں کی یہ روش نہیں تھی۔ میر کو یہ لکھے ہوئے بہت زمانہ ہو گیا۔

اب جو آیا ہے موسم برسات — دن کو ہی اپنے ہاں اندھیری رات

ذوق نے لکھا ہے۔

ع ۔ بو باسِ عنبر ہی تیرے پھولوں کے ہار میں۔

ذوق لکھتے ہیں۔

صنعِ آفتاب پر حیرت زدہ ہوتی ہو عقل — سنگِ پارس سے کہیں بادونا کو پیا تھا کیا

شب برات کی وہ روشنی کہ صلِّ علیٰ — ہو روزِ عید اگر آئے سامنے شب تار

گر کرے نشو و نما نامیۂ فیض ترا — گل جو ہو شمع تو پیدا ہو گلاب و زنبق

کروں تحریر جو رنگت کو حنا بندی کی — شاخِ گل مہندی ہو پھولوں سے ابھی میرا قلم

نعمت خاں عالی لکھتے ہیں۔

ز صدمۂ گوشش ملائیک بر آسمان کر شد — ز بسکہ نعرۂ شاباش و واہ واہ رسید

آگے اس غرفہ کے چلمن ہے پڑی — پس چلمن کوئی عورت ہے کھڑی

جانب چلون نظر جو جا پڑی — ایک بجلی تھی جو جاں پر آپڑی موتمن

ع۔ گہ موج گہ سمندر و گہ تاک گاہ گل — دبیر

گل گلاب: صاحب چراغ ہدایت لکھتا ہے: "بہ اضافت نام گلے معروف کہ گلاب عرق آنست" بہار عجم "گل گلاب مراد گل احمر کہ گزشت۔"

ز خوئے جماں بی چوں گل گلاب شداست — شقائق از حد بخت گل کباب شداست

عطر گلاب مل کر حلقہ میں یا ز بیٹھا — بلبل پکڑنے آیا صیاد انجمن میں آتش

کروں تحریر جو رنگت کو حنا بندی کی — شاخ گل مہندی ہو پھولوں سے ابھی میرا قلم ذوق

اضافی و عطفی تراکیب کے ساتھ اعلان نون کا ایک مسئلہ آتا ہے۔ ابتداء میں تو نون تک اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ جب اور قیدیں لگائی گئیں تو یہ قید بھی لگا دی گئی کہ ایسی ترکیبوں میں نون غنہ رہے نون ملفوظی نہ رہے جب یہ دور ... ختم ہوا جس کا ذکر اوپر کیا گیا تو یہ بندش بھی ٹوٹنے لگی اور واقعی توڑ دیئے جانے کے قابل ہے۔ اس کا تعلق صرف نظم سے ہے نثر میں تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ مصنف نے نون غنہ لکھا ہے یا نون ملفوظی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس

پابندی سے کیا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اعلان نون سے کلام میں بڑا زور پیدا ہو جاتا ہے۔

چرخ بے نور مضطرب اس آن میں — خضر ڈوبے چشمۂ حیوان میں — مومن

ع۔ زینب کے نور عین بڑھے جب بصد حشم — انیس

حیدر کی شجاعت کا معروف ہو زمانہ — فوجوں پہ اسی دبدبہ و شان سے جانا — انیس

شیروں نے دل اس فوج بد آئین کے توڑے — گویا کہ پرے خیبر و صفین کے توڑے — "

ع۔ مسکن چھٹا ہمارے سعادت نشان سے — انیس

ع۔ دین و آئین پر مدار سہی — غالب

پیری میں چھٹ گیا علی اکبر سا نور عین — کب تک جہاں میں کھایا کریں ٹھوکریں حسین — انیس

از بسکہ میرے دیدۂ حیران میں کچھ ہے — آگ ان میں دل کچھ ہے تو آگ ان میں کچھ ہے — مصحفی

دینے لگے مرغان خوش الحان صدائیں — پڑھتے تھے وہ سب اپنی زبانوں میں دعائیں — نفیس

بات کل کی ہے نوجوان تھے جو — صاحب نوبت نشان تھے جو — نواب مرزا شوق

دو یک دل و یک زبان گویا — دو قالب و یک جان گویا — مومن

وہ کہ جس کی صورت تکوین میں — مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا — غالب

تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی — ہے اک جلوۂ نور ایمان یہ بھی — حالی

نکلتے ہیں نکیوں میں ارمان ان کے — ثنا خواں ہیں ابلیس و شیطان ان کے — "

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں — فرمانروائے کشور ہندوستان ہے — غالب

انھیں سوال پہ زعم جنون کیوں لڑیے — ہمیں جواب سے قطع نظر ہی کیا کیجئے — غالب

شرع و آئین پر مدار سہی — ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی — "

بہت سے عربی الفاظ ایسے ہیں جن کے اوّل تین حروف متحرک ہیں مثلاً کلمہ، صدقہ، ارنی وغیرہ شعر میں تو پتہ نہیں لگ سکتا کہ مصنف نے ان کو صحت اعراب کے ساتھ لکھا ہے یا نہیں نظم میں یہ لفظ ہمیشہ سے بہ سکون حرف دوم بھی مستعمل چلے آتے ہیں لیکن اب یہ استعمال بھی غلط بتایا جاتا ہے اور اصرار کیا جاتا ہے کہ اول تینوں حروف متحرک ہونے چاہئیں علم بردارانِ فن کچھ بھی کہیں حقیقت یہ ہے کہ فارسی میں بھی یہ پابندی نہیں نبھ سکی ہے اور اسی لئے ایک اصول وضع کر لیا جیسا کہ عصمت اللہ شیرازی لکھتا ہے کہ وہ عربی لفظ جس میں مسلسل تین حرکات آئیں جیسے عظمت وکلمہ وغیرہ اس میں اہل پارس حرف ثانی کو ساکن کر لینا جائز سمجھتے ہیں۔

موسیٰ ازیں جام تہی دیدہ مست   شیشۂ بگہ پایۂ ارنی شکست

صد ہزاراں ہمچو موسیٰ مست درہر گوشہ   رب ارنی گو شدہ بردار جویاں آمدہ

زبس خوش حرکت و شیریں ادا بودہ   کہ گرمید ادتیزی خوشنما بود   ظہوری

چنان باد غنیمہ دشتی فشاند   کہ درخرمن عمر برکت نماند   قدسی

صائبا خجلت سائل بزمینم در کرد   بے زری کرد بمن آنچہ بہ قاروں زر کرد   صائب

اوپر کی مثالوں میں خط کشیدہ الفاظ اسی قسم کے ہیں۔ اب اردو لیجئے، میر کو تو یہ کہے ہوئے زمانہ گزر گیا ع

خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد

پھر داغ نے کہا ع۔ خواب راحت سے جو اٹھے ہیں وہ کلمہ پڑھتے

کوئی کلمہ بھی میرے منہ سے نکلنے نہ دیا   وہ لٹایا مجھے قاتل نے سنبھلنے نہ دیا   داغ

اب اور اساتذہ کو دیکھئے۔

اشکِ خجلت کسی بیکش کے جو دوزخ میں گریں ۔۔۔ اوس پڑ جائے دہکتے ہوئے انگاروں پر ۔۔۔ داغ

حجت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے ۔۔۔ سبقت نہ کرنا منع کیا ہے حضور نے ۔۔۔ انیس

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا ۔۔۔ برکت جو نہیں ہو[illegible] ہے ۔۔۔ اکبرالہ آبادی

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے ۔۔۔ کوئی تقصیر بجز خجالت تقصیر نہیں ۔۔۔ غالب

ع۔ سر دینے میں سبقت نہیں کرتے ہیں وفادار ۔۔۔ انیس

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت ۔۔۔ بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت ۔۔۔ حالی

اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں ۔۔۔ میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں ۔۔۔ انیس

صدقے گئی الجھی ہوئی زلفیں تو سنوارو ۔۔۔ داری یہ تمنا ہے کہ سر ماموں پہ وارو ۔۔۔ ״

نہیں اس زمانے میں کچھ خیر و برکت ۔۔۔ اقامت سے بہتر ہے اس وقت رحلت ۔۔۔ ״

وہ سہ حرفی الفاظ جن کے آخر میں نون (ن) ہے اور نون کے پہلے حروفِ علت میں سے کوئی حرفِ علت، ان کا استعمال مجرد بغیر اعلانِ نون منع کیا جاتا ہے مگر مثالیں ہر زمانے میں اس کے خلاف بھی ملیں گی۔

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں ۔۔۔ ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں ۔۔۔ حالی

پڑی خاک ایتھنز میں جاں نہیں ہے ۔۔۔ ہوا زندہ پھر نام یوناں نہیں ہے ۔۔۔ ״

مشابہ ہے تو م اس مریضِ جوان سے ۔۔۔ کیا ضعف نے جس کو مایوس جاں سے ۔۔۔ ״

جانبِ چلون نظر جو جا پڑی ۔۔۔ ایک بجلی تھی جو جاں پر آ پڑی ۔۔۔ مومن

صیاد اس اسیری پہ سو جاں کریں فدا ۔۔۔ دلبستگی قفس کی کہاں آشیانے میں ۔۔۔ یاس یگانہ

ع۔ بہتے تھے خوں کے ڈیڑھ سے پیہم۔ ۔۔۔ انیس

ع۔ "ڈھالوں کا ابر خوں میں تر ابور ہو گیا۔ انیس

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں "تم جا کے کہدو خیمہ میں یہ بے پدر کی جاں انیس

نشہ یہ تخفیف۔

کوندے ہے جو بجلی تو یہ سوجھے ہے نشے میں۔ ساقی نے ہے آتش سے مئے تیز اڑائی ذوق

نہ اترا مفلسی میں بھی نشہ دولت کا اے تشنہ گدائی کو بھی ہم نکلے تو لے کر جام جم نکلے تشنہ

رہ کفر و باطل سے بیزار سارے نشے میں دُئے حق کے سرشار سارے حالی

نشے میں تکبر کے ہے چور نہ کوئی حسد کے مرض میں ہو رنجور کوئی "

اس جوش میں بھر گئے بد و نیک تھا چور اسی نشے میں ہر ایک شبلی

متفرقات

ذیل میں اور بہت سے الفاظ کے اسناد پیش کئے جاتے ہیں جو غلط بنائے جاتے ہیں ان کے علاوہ زبان و بیان کے اور بھی نکتے بیان کئے جاتے ہیں جن سے عام طور پر اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی واقف نہیں ہوتے اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔

غل غپاڑہ۔ "اب ایک اور لطیفہ سنئے چور آیا غل غپاڑہ ہوا پکڑا گیا"۔ (فسانۂ آزاد صفحہ

گرانڈیل۔ "مرد تو وہاں کئی تھے پست مگر عورتیں گرانڈیل"۔ (فسانۂ آزاد صفحہ ۹۲)

چھٹی رساں۔ "اتنے میں چھٹی رساں نے خدمتگار کو ایک بیرنگ خط دیا"۔ (فسانۂ آزاد صفحہ ۱۰۱)

شائق۔ "اور اکثر لوگ ان کی ملاقات کے شائق تھے"۔ (فسانۂ آزاد صفحہ ۱۴۶)

"یہ کتاب طلباء اور عام شائقین کے لئے....." (تنقیدات عبدالحق صفحہ ۱۵)

فضا۔ "اور باغ پُر فضا میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر
اخبار پڑھنے لگے۔" (فسانۂ آزاد صفحہ ۱۶۲)

مشکور۔ "میاں آزاد اپنے میزبان کی ..... مہربانی اور شیریں
بیانی کے نہایت ہی ممنون و مشکور ہوئے۔" (فسانۂ آزاد صفحہ ۱۶۲)

پاگل خانہ۔ "اگر ایسے ہی خیالات جمنے لگے تو پاگل خانہ ضرور دیکھیں گے۔" (" " صفحہ ۲۴۰)

ڈھلمل یقین۔ "ڈاکٹر صاحب اپنے دل میں سوچے کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ
ڈھلمل یقین تو ہیں ہی۔" (" " صفحہ ۲۶۴)

تھانہ دار۔ "تھانہ دار سے جا کے کہا کہ حضور نے ..." (" " صفحہ ۲۹۶)

لچھے دار۔ "آپ کی تقریر وہ لچھے دار ہوتی ہے کہ جادو بھی
اس کے متقابل گرد ہو۔" (" " صفحہ ۳۷۰)

بہبودی۔ "کہہ دو کہ انگلستان کی دلی خواہش ہے کہ ٹرکی کی بہبودی ہو۔" (" " صفحہ ۴۰۲)

گرانڈیل۔ "گرانڈیل کرارے جوان جان جائے اور قدم
پیچھے نہ ہٹے گا۔" (" " صفحہ ۲۲۴)

چھت گیری۔ "عمدہ نین سکھ کی فیروزی چھت گیری ہم رنگ جھالر۔" (" " صفحہ ۴۲۰)

جوڑ بند۔ ڈھالا تھا جوڑ بند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہونچے بلور کے (انیس)

شرمیلی۔ وہ پیغام الفت کا منہ پھیر کر وہ شرمیلی آنکھیں سحر گاہ کی (داغ)

جگت آشنا۔ جگت آشنا داغ ملتا تھا سب سے مگر اب تو وہ آپ کا ہو رہا ہے (")

چوڑیدار۔ "چست انگرکھا گلبدن کا چوڑیدار گھٹنا پہنے۔" (فسانۂ آزاد جلد اول صفحہ ۱)

گلے بازی "مجرّم ایسے کوڑھ مغزوں کو گلہ بازی اور نازک آوازی
سے کیا واسطہ"۔ (فسانۂ آزاد جلد اوّل صفحہ ۲)

خوش گپّی۔ "اس خوش گپّی نے آج ستم ڈھایا۔ (" " صفحہ ۵)

مٹرگشت۔ "غلام نے کئی خوشے خریدے اور مٹرگشت کرتے ہوئے۔" (" " صفحہ ۱۴)

سنگار دان۔ "ہمارے رنگیلے جوان حسینوں کے سنگار دان۔" (" " صفحہ ۲۴)

غل غپاڑہ۔ "اور وہ غل غپاڑہ مچایا کہ زمین کو زلزلہ آیا۔" (" " صفحہ ۳۴)

ٹکڑ گدا۔ "تم ٹکڑ گدوں کی یہ مجال۔" (" " صفحہ ۴۰)

کاپی نگار۔ "ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں کاپی نگار اور تھا متوسط جو کاپی
میرے پاس لایا کرتا تھا وہ اور۔" (خط غالب بنام میر مہدی مجروح)

لاچار۔ "معشوق جب صبح کو اٹھتا ہے تو عاشق کو لاغری کے سبب
بستر پر نہیں پاتا لاچار جھونا جھاڑ کر دیکھتا ہے۔" (حالی از یادگار غالب)

دن بدن۔ "سچی شاعری..... دنیا میں اعلیٰ درجہ کی اصلاح کرتی ہے اور اس سے
سوسائٹی کی حالت دن بدن ترقی کرتی ہے۔" (مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی سچی شاعری)

سادہ پن۔ پر دازھی حسن ہے بھبن بھی رنگت بھی ہے حسن سادہ پن بھی

مردانہ پن۔ "اس کے کلام میں عرب شاعروں کا سا فخر آزادی و مردانہ پن پایا جاتا ہے۔"
(مولانا عبد الحق مقدمہ مسدس حالی)

طرفدار۔ ع۔ اب ہو گیا یہ جس کا طرفدار ہو گیا۔
ع۔ گر غیر بھی ہمارا طرفدار ہو گیا۔

ترکیب فارسی کے ساتھ واحد کا استعمال جمع کے لئے۔

قحط باراں نہیں دے جلد شراب اے ساقی   لکۂ ابر ڈھونڈھتا چلے آتے ہیں   اسیر

یاد ہیں سب گلعذار لکھنؤ   ہر تصور میں بہار لکھنؤ   ناسخ

کاتبوں کے ہاتھ لکھتے لکھتے شل ہو گئے   ہم نے لکھوائے جواب خط جاناں اس قدر   قمر لکھنوی

اوج پر ہے بے نشاں ہو کر بھی شانِ لکھنؤ   لامکاں کو داغ دیتے ہیں مکانِ لکھنؤ   تسلیم لکھنوی

ہم ہیں اکسیر بھری پیرِ مغاں رکھتے ہیں   چاہتے ہیں جسے نازیست جواں رکھتے ہیں   شہیدی

وہ آنکھ چوری ایسی چرا کے لے جائے   چھپا ہوا ہو اگر سیکڑوں حجاب میں دل   داغ

ہم جو تازیانۂ تارِ نفس لگے   کوسوں سمند عمر گریزاں نکل گیا   سحر لکھنوی

نشۂ جوشِ جوانی میں یہ بیہوش رہے   وعدۂ عالمِ ارواح فراموش رہے   ”

آج پینے کے لئے کون ہے آنے والا   لکۂ ابر جھکے پڑتے ہیں میخانوں پر   جلیل مانکپوری

گریہ شام سے تو کچھ نہ ہوا   ان تک اب نالۂ سحر جائیں   حسرت موہانی

سیکڑوں مہر شہادت میں مرے داغ گناہ   میں عدم کو خود بنا کر اپنا محضر لے چلا   داغ

سب ستم سارے وہ سامانِ مصیبت یاد ہیں   ہم ابھی کنجِ قفس میں مرغِ نو آزاد ہیں   نسیم دہلوی

ہے خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا   ہوتے جو کئی دیدۂ خوں نابہ فشاں اور   غالب

یہ اس قدر کے معنی میں ہمیشہ جائز رہا ہے۔

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی   کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے   غالب

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں   تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے   مومن

مسجد سے دور ہے یہ دکاں میفروش کی   آتی نہیں ہے کان میں بانگِ اذاں تلک   اسیر

روئے یہ دیکھ کر اس چہرۂ پرنور کو   عین دریا میں بہا دیتے چراغِ طور کو   ”

یہ مجھ کو شیوۂ افتادگی پسند ہوا   غبار بھی نہ صبا سے مرا بلند ہوا   خواجہ وزیر

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
سر اُٹھائے بزم جاناں میں بھلا کس کی مجال	رعب غالب ہے یہ اس کے جلوۂ مغرور کا	حسرت موہانی
ہمیں جو کے غم دل قابل اظہار نہ تھا	بات میں یار یہ بگڑا کہ کبھی یار نہ تھا	داغ

وہ استفسار کے معنی ہیں۔

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
وعدہ لیتے ہی وہ باتوں میں لگایا ہم نے	دیر تک اس کو کسی طرح مکرنے نہ دیا	داغ
کوئی کلمہ بھی میرے منہ سے نکلنے نہ دیا	وہ ٹہایا مجھے قاتل نے سنبھلنے نہ دیا	"
وہ ڈرا ہوں کہ سمجھتا ہوں کہ دھوکا تو نہ ہو	اب وہاں سے جو محبت کے پیام آتے ہیں	"
ع۔ وہ ہے مصروف ستم ہائے فراواں کوئی	....	"

دل جگر بغیر عطف

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
نہ تم نے کیا قتل لاغر سمجھ کر	غریبوں کا بھی دل جگر دیکھ لینا	سحر لکھنوی
دل جگر دونوں ہیں قاتل کے مقابل دیکھیں	کون پہلے ہدف تیر قضا ہوتا ہے	جلیل
دل جگر برق نگہ سے تلملا کر رہ گئے	طفل اشک آنکھوں میں اپنی بلبلا کر رہ گئے	داغ

پاؤں کے دو تلفظ

مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
اس گلی میں بجائے نقش قدم	ہم بھی پانوں جمائے بیٹھے ہیں	مجروح دہلوی
چرخ کا پانوں ہے مدت سے یونہیں گردش میں	ہے بجا گر کہے خورشید کو چھالا اپنا	داغ
چھالا ہے آفتاب کا گردوں کے پانوں میں	خود چھپ رہی ہے دھوپ درختوں کی چھانوں میں	دبیر
کانٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو	پانوں میں کجروی کو سروں میں غرور کو	"
زخمی بازو ہیں کمر خم بدن میں نہیں تاب	ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے پانوں سے رکاب	"
پاؤں میں پہنے موزہ گمراہی جہاں	کج فہمی سے معاویہ کی اس نے لی کماں	"
پانوں کے جو پھوٹے خام چھالے	اور اس سے بہے لہو کے نالے	مومن

لگے یک بار پانوں لڑکھڑانے　　بنایا تھا گر واں گھر صفا نے　　مومن

جب تک یہ چلے نہ اپنے پانوں　　حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں　　نسیم لکھنوی

لگے بہ معنی معلوم ہو۔

تھو۔ اس شوخ کی لگتی ہے یا میری خطا لگتی　　مسلمانو تم ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی　　مومن

نہ بجائے نہیں اور نہیں بجائے نہ۔

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب　　وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے　　غالب

شبنم بہ گل و لالہ نہ خالی ز ادا ہے　　داغ دل بیدرد نظر گاہ حیا ہے　　"

موقع یہی ہے بحر لپٹ جاؤ یار سے　　بجز دھوکا نشہ ہے نہ کوئی آس پاس ہے　　بحر لکھنوی

مشوش جو نہ فکر جاہ میں ہے　　وہی تو عیش خاطر خواہ میں ہے

سا اور جیسا

کہا اس نے کہ مر جاؤں تو بولے　　کہ تم جیسوں کے مر جانے کا غم کیا　　شاہ نصیر

ہمارے اسکے باہم ربط برق ابر جیسا ہے　　ہنسے ہے جب وہ اپنے اس گھڑی آنسو نکلتے ہیں　　"

غیر سا عیار ثانی جس کا دنیا میں نہیں　　آپ جیسا سادہ دل جس کو خبر کچھ بھی نہیں　　بیخود دہلوی

ادائیں دیکھنے بیٹھے ہو کیا آئینہ میں اپنی　　دیا ہے جس نے تم جیسے کو دل اس کا جگر دیکھو　　"

"ہندوستان میں انیس و دبیر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ ہوگا"　　غالب

رہ - گنہ - پنہ - نگہ - مہ وغیرہ بغیر اضافت

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد　　مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ　　"

ع - کہ ہیں بے پنہ آنے والی بلائیں۔　　حالی

گو مے کشی گنہ ہے طبیعت کو کیا کروں　　توبہ کسی نے کی بھی ہے فصل بہار میں　　داغ

رانی نے جو بیدلی نگہ کی　　بیڑی کٹوائی بیگنہ کی　　نسیم لکھنوی

عشق رسوا نے نگہ میں جب اثر پیدا کیا　　ایک تجلی بڑھ گئی اور حسن کا پردہ کیا

نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینہ اسی کا ہے — ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے — شاد عظیم آبادی

عاقبت بہ معنی آخرکار

کس نیاموخت علم تیر از من — کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

عاقبت چاہ ذقن میں خبر اس کی پائی — مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا — شیفتہ

میں نہ کہتا تھا کہ دل لے لو میرا — عاقبت وہ خون ہو کر رہ گیا — داغ

ع۔ عاقبت تھک تھک کے نالے نارسا ہونے لگے۔ — "

وگرنہ بجائے ورنہ۔

ع۔ وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا — "

جمال ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم — "

مرض عشق ہے آفت ہے وگرنہ ہم نے — کی دوا اس کی سنا جس کو طبیب اچھا ہے — داغ

کسی لحاظ سے نالہ نہیں کیا ہم نے — وگرنہ کون سی بنیاد آسمانوں کی — "

تیوری کے دو تلفظ

چڑھاؤ پھول میری قبر پر جو آئے ہو — کہ اب زمانہ گیا تیوری چڑھانے کا — "

چیں بہ ابرو نہ ہو مہربان میں تیوری نہ چڑھا — راست بازوں سے کجی چھوڑ دے تلوار نہ کھینچ — رند

کہئے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں — تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں — انیس

دم بدم صورت دریائے کرم ہاتھ بڑھے — سیکڑوں جام چڑھا جانے پہ تیوری نہ چڑھے — بہار حسن آبادی

دکھلائیں بتلائیں وغیرہ

دکھلائیں معجزے دل جذب آفریں سے ہم — کہہ دو تو آسماں کو ملا دیں زمیں سے ہم — عزیز لکھنوی

جھلاتے ہیں وہ سایۂ خورشید حشر میں — عاشق کو اپنے تشنۂ دیدار دیکھ کر — یاس یگانہ

ع۔ بھلائے چار گوشوں میں گرد خیام شاہ — دبیر

ع۔ بھلا میرے یتیموں کو خیموں میں ایک دم — ״

بتلا دو ہمیں خونی و خونخوار کدھر ہے — شیئنس ابن ربعی سا جفا کار کدھر ہے — انیس

خدا دشمن کو بھی یہ خواب محرومی نہ دکھلائے — ادھر پایانے پرسش اور ادھر خاموش ہو جانا — فانی

آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا — لانا پڑا انھیں کو تمہاری مثال میں — ״

اپنے آپ۔ (حضرت آرزو نے نظام اُردو میں لکھا ہے کہ اپنے آپ بہت مہمل ہے)

کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو — خوبرویوں سے جہاں خالی نہیں — داغ

دشمن ہمارے واسطے تکلیف کیوں کریں — ہم اپنے آپ قتل کا محضر بنائیں گے — ״

بھائی بندوں وغیرہ

ع۔ یہ منہ دکھانے کے قابل ہے بھائی بندوں میں — ״

بائے مشدد

ع۔ آنکھوں ہی میں آجائے سپیدی سحر بھی — ״

اللہ رے تنگئ دہن، نازکی لب — وعدہ پہ قسم آپ سے کھائی نہیں جاتی — ״

سحر و سفا کی و بیبا کی و شوخی و عتاب — جس کی آنکھوں میں یہ فتنے ہوں مروت کیسی — ״

سنجیاں زا موال بر یخو رند — بخیلاں غم سیم و زر یخو رند

بائے ساقط

کھولا سپیدی نے جو مصلائے پیر صبح — ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح — دبیر

ع۔ کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامہ میں — ״

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب — ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے پانوں سے رکاب — ״

کیا دست حفا گلو سے چھپاں عریانی کے جامہ کا گریباں — مومن

ع۔ لب کھولے جو فروشی وگندم نمائی ہیں — دبیر

ع۔ کج فہمی سے معاویہ کی اس نے لی مثال — "

ع۔ شیریں ادائی آپ کی میٹھی چھری سہی — داغ

دامن علم کا کھول کے عباس رک گئے صف باندھ کر سلام کو مجرائی جھک گئے — انیس

جس وقت ذکر معرکہ آرائی ہوتے ہیں رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں — "

یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر غصے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر — "

مجھ پر تم کی ماں بھی ہے ناچار بیہ نثار تنہائی میں خدا ہو مددگار میں نثار — "

ظہور را۔

انھیں کا ظہور رہی سب خشک و تر میں انھیں کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں — حالی

ہر اک

کہ یہ کافر ہر اک خلوت سرائے دل میں رہتے ہیں — داغ

شروعات

"اردو زبان تیرھویں صدی میں بنی شروع ہوئی مگر وہ شروعات ہی تھی۔ مولانا حامد حسین قادری

پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ) از تاریخ و تنقید ادبیات اردو صفحہ ۱)

"یہاں سے اُردو کی تنقیح و تنظیم شروع ہوئی جو انیسویں صدی عیسوی کی شروعات تک

برابر جاری رہی" (منشورات علامہ کیفی دہلوی صفحہ ۶۷)

پیمر سے۔

"ادیب اور نقاد کا مسلک ان دونوں رشتوں سے پرے پرے ہونا چاہیے"۔
(منشورات صفحہ ۱۳۲)

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ ۔ اے شب ہجر تیرے اکالا منہ — مومن

ہم عدم سے بھی پرے ہیں ورنہ غالب بارہا ۔ اپنی آہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا — غالب

چکھا، رکھا، اٹھا، لکھا۔

مصرع ۔ بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں ۔ — نسیم

مصرع ۔ بڑے چکھے بہت مزیدار — اصلاح آتش بر مصرع نسیم — نسیم

دل ہے وہ طاق غمکدۂ عمر دو شش کا ۔ رکھی ہو جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی — فانی

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کر اٹھے ۔ کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے — آتش

تھے مکدر تو کدورت نے رکھا تھا برباد ۔ صاف ہو اب تو صفائی نے مٹا رکھا ہے — داغ

دل میں نہ رکھے آدمی اتنی بھی کدورت ۔ انسان ہی تھا داغ بھی گو خاک نشیں تھا — "

بانو نے رکھے زانوئے زینب پہ سر ان کے ۔ جو بیبیاں تھیں آگئے منہ کو جگر ان کے — انیس

بھولی نہیں اب تک مجھے بیتابی حیدر ۔ دم بھر شب ضربت کو نہ تکیے پہ رکھا سر — "

گودی

میل کے کونڈے اس کے آج ہیں کیلئے دادا ۔ ہو وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

گودی ہو کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش ۔ گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش — انیس

دم نکلا ہو گودی میں شہنشاہ زمن کی ۔ سونگھو اسے خوشبو ہو یہ زہرا کے چمن کی — "

ناشاد پہ ارمان بھرے گھر سے چلے ہو ۔ گھوڑوں پہ چڑھا لوں میں کہ گودی کے پلے ہو — "

بانو سے نیک نام کے کھیتی ہری رہے ۔ صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے — "

کیفیت کے دو تلفظ

بیاں کرتا ہوں جب کیفیت رفتار مستانہ ۔ تو متوالوں کی صورت لڑکھڑاتی ہو زباں میری — داغ

محفلِ یار میں اے داغ سوا حسرت کے — کیا ہمیں کیفیتِ جام و سبو آتی ہے — داغ

جب ہی کیفیت رہوں یوں اس کے ساتھ — نشہ وے جس طرح توام رہے — ″

غصہ سے کہا چشمِ جنوں ساز کو مل کے — لے دیکھ لے سب کیفیت بزمِ خرابات — عزیز لکھنوی

کس منہ سے کہوں کیفیت لذتِ تقریر — واللہ کہ میں وحی سمجھتا ہوں تیری بات — ″

مزا کیا زندگی کا عاشقوں کو — کہ ہستی میں ہے کیفیت عدم کی — داغ

کیفیت سے کبھی خالی نہیں دل مستوں کا — ہو بہو ملتا ہے ساقی تیرے پیمانے سے — ابنِ عظیم آبادی

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں — سودا

جام بلوریں میں ہے جوں عکسِ شرابِ لالہ گوں — ہو جیسے کیفیت فزا نورِ سحر رنگِ شفق — ذوق

مجوئے از بلاہت وخصم وشعور دوست — کیفیتے کہ کردہ قضا نام آں زماس — عرفی

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی — کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے — غالب

واہ وا اور واہ واہ ۔

پہونچا جب اس تک میرا مکتوب ۔ — ہنس کے بولی کہ واہ وا کیا خوب — نواب مرزا شوق

ذلت اٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ — رہ کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ — انیس

واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں۔ — حالی

واہ وا شاباش لڑکے واہ وا — تو جواں مردوں سے بازی لے گیا — اسمٰعیل میرٹھی

زصدمہ گوشش ملائکہ بر آسماں کر شد — زبسکہ نعرہ شاباش واہ واہ رسید — نعمت خان عالی

کلام و عبارت، سخن، شعر و بیت — چو ایں قطعہ خواندی بگو واہ واہ (قافیہ ہے گاہ و راہ)

کرتے تھے واہ وا صفوں میں جوان و پیر — بازو کو چومتے تھے رسولِ فلک سریر — انیس

نظارہ کے دو تلفظ ۔

کوئی بیباک ہے گرم اشارہ   کوئی چالاک ہے محو نظارہ   امیراللہ تسلیم

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار   نظارہ ذوق خویدنی عزگان گلہ دارد

خدا سر دے تو سودا دے تیرے لیف پریشاں کا   جو آنکھوں ہو تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا

خود رفتہ از خود رفتہ کی جگہ

غم خود رفتگی نے جب ستایا   اسی کوچہ میں شل ہوش آیا   امیراللہ تسلیم

شرار ۔ عربی میں شرارہ کی جمع ہے مگر فارسی والے واحد استعمال کرتے ہیں اور شرارہا جمع لاتے ہیں۔

زلنگ اگر نہ دیدہ چھپاں جہد شرارہا   برگ ہائے لالہ بیں بیان لالہ زارہا   فانی

پھونکے نہ یہ دم اس سے ہمارے نکلتے ہیں   اژدر کی طرح منہ سے شرارے نکلتے ہیں   انیس

جلدی

کھل جائیں نشاں چوب لگے طبل و غا پر   جلدی ہو کہ صدقے ہوں امام دوسرا پر   ″

ع ۔ کہیں جلدی میرے سر دینے کی باری آئی   ″

یوں ہوا دوڑی کہ تھرائے چمن کے اشجار   کر دیا سبزۂ خوابیدہ کو جلدی بیدار

ع ۔ جلدی شب عروسی اکبر خدا دکھائے ۔   پیارے صاحب رشید

برہنہ کے دو تلفظ

ع ۔ تیغیں برہنہ ہو گئی تھیں چھوڑ کر نیام   انیس

ع ۔ سامنے ان کے ظفر برہنہ پا چلتی ہے   چکبست

بعض لوگ روحِ رواں کی ترکیب غلط بتاتے ہیں مثالیں درج ذیل ہیں۔

روح رواں دجسم کی حالت میں کیا کہوں   جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا   نسیم لکھنوی

مولانا علی حیدر طباطبائی شرح دیوان غالب میں لکھتے ہیں :-

ع۔ منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا

(کے) اس شعر میں اضافت کے لیے نہیں ورنہ 'کا' ہوتا جیسے کہتے ہیں کوئی اس منصب کا مستحق نہ رہا ہو 'کے' ویسا ہی ہے جیسا میر انیس مرحوم کے اس مصرع میں

سُرمہ دیا آنکھوں میں کبھی نور نظر کے

اس مصرع پر لوگوں کو شبہ ہوا تھا کہ میر صاحب نے غلطی کی یعنی (کی) کہنا چاہئے تھا۔ اسی طرح کہتے ہیں ان کے مہندی لگا دی۔

ایسے مقام پر (کے) حرف تعدیہ ہے مثلاً

داڑھی میں لال بال تھے اس بدنہاد کے (برق لکھنوی)

آنکھوں میں ہیں حقیر جس رتس کے — میر

معرفت میں اس خدائے پاک کے اڑتے ہیں ہوش و حواس ادراک کے — آتش

نکلے یہ صبح حشر تو رنگ اس کا جوں شفق ہو سُرخ دوستی سے محمد کی آل کے — ذوق

(قافیہ ہے 'ملال' کے 'نکال کے')

"اس زمانے کے اکثر شعرا اس مغالطہ میں ہیں کہ 'ادھر کو اور اُدھر کو'، 'اور کہیں کو' میں 'کو' زاید ہے اور اس کے استعمال سے احتراز کرتے ہیں۔ اسی طرح سے (اس طرح سے، کہنے میں 'سے'، کو زاید کہتے ہیں اور اس کو ترک کیا ہے۔ اور یہ خیال بھی غلط ہے" (علی حیدر طباطبائی شرح دیوان غالب)

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں — غالب

"تمام فصحا کی زبان پر آن کا لفظ ہے اور محاورے میں قیاس نحوی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ خاموش ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے۔ غالب
غالب

(ی) وزن میں نہیں سماتی اس سے مصنف کا یہ مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ کہ فارسی لفظ کے بھی آخر میں نظم اُردو میں حرف علت کا گر جانا وہ جائز سمجھتے تھے...... اس مسئلہ میں لکھنؤ کے شعرائے معتبر اختلاف کرتے ہیں اور اور فارسی گویوں کی طرح (ی) کا گرانا بھی جائز نہیں سمجھتے..... قول فیصل اس باب میں یہ ہے کہ جب بر وقت محاورہ اور اثنائے گفتگو میں بہت جگہ حروف علت کا تلفظ میں سے گرا دینا ہم لوگوں کی عادت میں ہے اور اس میں لفظ فارسی و ہندی کا امتیاز نہیں کرتا تو وزن شعر میں گرانے کو کون مانع ہے اور ہر زبان میں شعر کا مدار محاورے پر ہے۔"

(علی حیدر طباطبائی شرح غالب)

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اُٹھائی ہیں ہم نے ۔۔۔ تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بخم آگے ۔۔۔ غالب

"تمہارے آگے آئیو اور تمھیں آگ لگی ہو اور تمھیں مبارک ہو جیو وغیرہ غالب کے لئے دلی ولکھنؤ دونوں جگہ سے متروک ہیں لیکن خطاب میں البتہ اس کا استعمال باقی ہے۔ مونس

ذبح نہ سر کٹوں کو اماں اے دلاورو ۔۔۔ اعدا سے چھین لیجو نشاں اے دلاورو
جیتے نہ پھر یو صدقے ہو ماں اے دلاورو ۔۔۔ جانوں پہ کھیل جائیو ہاں اے دلاورو

(علی حیدر شرح غالب)

"اُردو میں لفظ سوا اور مع عامیانہ محاورے میں اکثر بہ اضافت بولتے ہیں اور پھر

میں (کے) بھی لگاتے ہیں مثلاً سوائے خدا کے کون ہے اور مع عیال کے روانہ ہوا
لیکن جو لوگ لکھے پڑھے ہیں وہ یوں کہتے ہیں سوا خدا کے کون ہے اور مع عیال
روانہ ہوا...... اسی طرح غالب ایک خط میں لکھتے ہیں بیڑی کو زادیہ زندان
میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا اور اپنے نام کا خط مع ان اشعار کے
یوسف علی کے حوالہ کیا۔"
(علی حیدر طباطبائی شرح غالب)

میری رائے میں مع کے بعد اگر ہندی الفاظ ہیں جیسے غالب کے جملے میں
تو کے لانا معنیاً ضروری ہو۔

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی
ایک عجیب نحوی طلسم زبان اردو میں یہ ہے کہ مصنف نے جہاں پر (کی)
کو صرف کیا ہے یہاں محاورے میں (کے) بھی کہتے ہیں مگر قیاس یہی چاہتا ہے
کہ (کی) ہی کہیں اسی طرح لفظ طرف جب اپنے مضاف الیہ پر مقدم ہو تو (کی)
کہنا صحیح نہ ہوگا۔

ے۔ پھینکی کمند آہ طرف آسمان کی

"اس مصرع میں (کی) کہنا خلاف محاورہ ہے اور پھر لفظ طرف مونث ہے
اگر اس لفظ کو موخر کر دو تو کہیں گے آسمان کی طرف اور اگر مقدم کر دو
تو کہیں گے طرف آسمان کے...... اس کی نظیر نذر کرنا ہے"
(علی حیدر طباطبائی شرح غالب)

تذکیر و تانیث الفاظ فارسی۔

ضابطہ یہ ہے کہ فارسی یا عربی کا جو لفظ اردو میں بولا نہ جاتا ہو اول

اس کے معنی پر نظر کرتے ہیں اگر معنی میں تانیث ہے تو بتانیث، اور اگر تذکیر ہو تو بہ تذکیر اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔

"دونوں لفظ مونث ہوں تو وہ بھی اسی طرح مفرد ہی بولے جاتے ہیں جیسے خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ اس کی آنکھ ناک اچھی ہے۔ نہایت عجیب بات یہ ہے کہ ایک لفظ مونث اور دوسرا مذکر اسے بھی مفرد بولتے ہیں اور اسی کے فعل کی تذکیر و تانیث محاورے پر موقوف ہو مثلاً اس عورت کا کولا کمر اچھا ہے۔ بول چال اچھی ہے۔ آسمان زمین ایک کر دیا۔ زمین و آسمان دوسرا ہو گیا۔ اکثر ایسے بندھے ہوئے محاورے ہیں کہ جمع بول ہی نہیں سکتے اور نحواً دو ہیں غیر ذی عقل کے لئے اکثر مواقع میں جمع بولنا متروک ہے"

(علی حیدر شرح غالب)

ساقی گری۔

ساقی گری کی شرم کرو ورنہ آج ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے — غالب

ساقی گری کا لفظ ویسا ہی ہے جیسے منشی گری اور مولوی گری اور آدمی گری فارسی میں بھی اس کی مثال ملتی ہے۔

کند حق صوفی گری را ادا — بیک چشم بیند بہ شاہ و گدا — ملا طغرا

(علی حیدر طباطبائی شرح غالب)

ختم شد

محمد وحید الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن پرنٹر و پبلشر مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں

التماس

لتھو کی چھپائی میں کتابت کی مشکل ایک سخت مسئلہ بنا ہوا ہے کسی کتاب کا کتابت کی غلطیوں سے پاک رہ جانا تعجبات سے سمجھا جاتا ہے۔ صحت زبان بھی پاک نہ رہ سکی۔ غلط نامہ لگانا لازمی ہوگیا لیکن افسوس ہے کہ میں اسے مکمل نہیں سمجھ سکتا اس لیے کہ بہت دنوں سے خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہوگیا ہوں غلط نامہ مرتب کرا دیا ہے پھر بھی کہیں نہ کہیں خامیاں رہ گئی ہوں گی۔ دو ایک جگہ سندی اشعار کی تکرار بھی ہوگئی ہے۔ اس سبب کیلئے قارئین سے درگزر چاہتا ہوں۔

جگر بریلوی

غلط نامہ

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۳	۱۲	لفظ	الفاظ
۷	۳	تونے نگاہ کی	تونے کی نگاہ
"	۷	سب کی	سب اس کی
۹	۱۶	فصاحت وقیادت	فصاحت و قباحت
۱۰	[illegible]	[illegible]	امیر
۱۲	۱۰	عبادت کو گوشہ نشینی کو	عبادت و گوشہ نشینی کو
۱۳	۱۴	معنی کے صوتیاتی	معنی کے اسی صوتیاتی
۱۴	۶	نمائشیں	غائیتیں
۱۵	۸	ایسی	اسی
۱۱	۱۰	دیہادتیوں	دیہاتیوں
۱۵	۱۶	اصول ضوابط	اصول وضوابط
۱۸	۱۶	غالب	دبیر
"	۱۷	"	غالب
۱۹	۱۲	کھائے	کھاگئے
۲۰	۱۰	"	× --

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۲۰	۱۵	کسی	کیسی
۲۲	۳		ناسخ
″	۸	آہوں میں خواب	آہوئے بیخواب
″	۱۶	کیجے	کیجئے
″	″	آزاد	آزار
۲۳	۱۹	شک	رشک
۲۵	۷	باندھے کمر	باندھے ہیں کمر
۲۸	۱۶	سب ہجراں	شب ہجراں
۲۹	۶	دیوا	دیوان
″	۱۱	سخر	سحر
″	۱۲	حود	حسود
۳۱	سطر ۷ خانہ ۴	عرصہ چند	عرصہ چلی
۳۵	سطر ۲ خانہ ۴	لے اڑی	لے کے اڑی
۳۶	سطر ۳ خانہ ۲	شودہ	ستودہ
۳۸	سطر ۴ خانہ ۴	قدور داں	قدرداں
۴۰	سطر ۱۸ خانہ ۳	آزاد	سرشار
۴۱	سطر ۱ خانہ ۳	تاریخ نباشں گفت	تاریخ نباشں گفت والہ
″	سطر ۱ خانہ ۴	والہ بردی	والہ ہروی

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۴۲	سطر ۶ خانہ ۳	جو بھی	بھی جو
۴۴	سطر ۷ خانہ ۴	تلاش	تلاشی
۴۷	سطر ۷ خانہ ۲	بمعنی حد زیاد	بمعنی از حد زیاد
۴۸	سطر ۳ خانہ ۱	بھپتی نہا	بھپتی نما
〃	سطر ۹ خانہ ۱	〃	〃
۴۹	سطر ۴ خانہ ۱	مُفلسی	مُفلس
۵۲	۲	نہیں فارسی میں ہے	نہیں 'بہ' فارسی ہی ہے
۵۳	۵	آزاد	استاد
۵۵	۲	افسران عالی مقام اور...؟	افسران عالی مقام اور...؟ تنقیدات عبد الغنی
۵۶	۱۱	شتوائق از حد بخیت	شتقائق از حسد بخیت
〃	۱۷	دو رہ د نماز	دورہ کا آغاز
۵۷	۳	اں	آن
۵۹	۱۵	یہیں ہے	یہیں سے
۶۳	۳	شل ہو گئے	شل ہو ہو گئے
۶۴	۱	جاتا	جانان
〃	۱۴	کمر خم بدن	کمر خم ہے بدن
۶۶	۱۶	جڑھا	چڑھا

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۶۷	۱۶	بائے ساقط	یائے ساقط
۶۸	۱۰	ظہور	ظہورا
۶۹	۱۷	بانوسے نیک نام کے	بانوئے نیک نام کی
۷۰	۹	شعور دوست	شعور راوست
"	"	زماس	نعاس
"	۱۶	ملایکہ	ملایک
"	"	شاباش واہ واہ	شاباش و واہ واہ
"	۱۸	واہ وا	واہ واہ
۷۱	۲	حسنِ تو	حسن تو
"	"	نظارہ ز زنخ دیدن مژگاں	نظارہ زجنبیدنِ مژگاں
"	۳	جو آنکھوں ہو	جو آنکھیں ہوں
"	۸	زننگ	زِ سنگ
"	"	چیاں	چپاں
"	"	فانی	قاآنی
۷۲	۲	شیفتلی	شیفتگی
"	۱۹	غیرے رات	غیر سے رات
۷۳	۳	خاموش	خاموشی
"	۱۳	آگ لگی ہو	آگ لگیو
"	"	غاب	غائب
"	۱۴	البتہ استعمال باقی ہو	البتہ استعمال باقی ہو مونث کہتے ہیں
"	آخر	اور پھر	اور پھر مضاف الیہ
۷۴	۶	ہندی الفاظ میں	ہندی الفاظ ہیں
"	۱۶	اس کی	اُسی کی
۷۵	۱۲	ورنہ آج ہم	آج ورنہ ہم

علمی، ادبی کُتب
ملنے کا پتہ
نظامی بک ایجنسی بدایوں یو۔پی (انڈیا)

ملنے کا پتہ
نظامی بک ایجنسی بدایوں (یوپی)